



وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ
يَعْبُدُوها وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ
الْبُشْرَىٰ ۖ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ (الزمر: ۱۷)

”اور وہ لوگ جنہوں نے طاغوت کی (عقیدت اور) بندگی
سے اجتناب کیا اور (یکسو ہو کر) اللہ کی طرف رجوع کیا
تو انہی کے لئے خوشخبری ہے، تو (اے نبی) بشارت
دیدو میرے ان بندوں کو۔“

الهامی ادب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى
حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۚ قُلْ إِنْ هَدَى اللَّهُ
هُوَ الْهُدَى ۚ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ
بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ مَا لَكَ
مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۚ

(البقرة: ۱۲۰)

”یہودیوں تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے اور نہ نصاریٰ
جب تک کہ تم ان کے دین کی پیروی نہ اختیار نہ کرو۔
(صاف) کہہ دو کہ بیشک اللہ کی ہدایت (یعنی دین اسلام) ہی اصل
ہدایت ہے اور (اے نبی!) اگر تم نے اپنے پاس علم (وحی الہی)
آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کی تو تم کو
اللہ (کی سزا) سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار“

حدیث دل

اداریہ

اللہ تعالیٰ کی بیعت سے یہ سخت رسی ہے کہ وہ اہل ایمان کے اخلاص کا امتحان لیتا ہے۔ مختلف آزمائشوں کے ذریعہ ان کو ہر طرح کے کھینچنے سے پاک کرنے اور اس طرح ان کی تربیت کا انتظام فرماتا ہے تاکہ ان کے اندر اپنے فرائض دینی کے تعلق سے سچی دلی احساس و محراب دینی، سیرت و کمزاری میں کھار اور عزم و ارادت اور ہمت و حوصلے میں مضبوطی پیدا ہو۔ وہ دعویٰ ظہور پر اس بار امانت کو اٹھانے کے اہل ثابت ہو کر اللہ کی تائید و نصرت سے ہمکنار ہوں اور آخرت میں اس کی رضا و خوشنودی اور جنت کی لازوال نعمتوں کے وارث بن سکیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اہل ایمان کو راستے کی ان مشکلات سے خبردار کر دیا گیا ہے

وَلْيَبْغُوا الْكَيْدَ مِنَ الْخُوفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَالضَّرِيبَةُ وَالضَّرِيبَةُ (البقرة: ۱۵۵)

گویا منصوبہ الہی یہ ہے کہ اسلامی عقیدے کے حامل افراد پر بے اخلاصی اور یکسوئی کے ساتھ اپنے عقیدے پر قائم ہوں یعنی اس کو عملاً "اختیار کر کے اس کے تقاضوں کو پورا کریں" اس کی حفاظت کرنے اور اس کو نیا والوں کے اندر بھیلانے میں سرگرم عمل ہوں اور پھر اس راہ میں پیش آنے والے مصائب و آلام اور مشکلات کو انگیز کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب وہ اپنے عقیدے پر اس طرح استقامت دکھائیں کہ کوئی بڑی سے بڑی آزمائش انہیں اس سے متزلزل نہ کر سکے "کوئی قوت انہیں خوقرہ نہ کر سکے" وہ مخلوک و شہوات بھیلانے والی شیطانی چالوں سے مرعوب یا متاثر نہ ہوں اور اللہ کی راہ میں آزمائشوں اور فتنوں کا سامنا کرتے ہوئے ان سے کسی کمزوری و کم ہمتی کا اظہار نہ ہو تو اللہ کی رحمت متوجہ ہو اور اسکی تائید و نصرت ان کے شامل حال ہو جائے۔ کیونکہ اس وقت وہ اللہ کے دین کے لیے اہل ثابت ہو کر اس کی حفاظت و مدافعت کے اہل اور جنت کی صورت میں انجام خیر کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل خوفِ مذہبی کی حریم و طبع اور راحتِ ظہنی و عیش پسندی سے آزاد اور پاک ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی سنت کے نوازے سے امت مسلمہ کے اولین گروہ (صحابہ کرامؓ) کو یا مضمون اور اس راہ پر چلنے والوں کو یا عموم گزشتہ مومن گروہوں کے تجربات کی طرف متوجہ کیا اور ان پر ہر طرح فرما دیا کہ وہ جس مخصوص گروہ کے ہاتھوں میں اپنے دین کا پیغام اٹھاتا اور ان پر یہ بار امانت ڈالتا ہے "ان کے اخلاص کا امتحان اور ان کی تربیت کے سلسلے میں اس کی سنت بھی آزمائشوں کی سنت ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُخَلَّوْا بِالْعَنَّةِ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الْفَرَسِ غُلُوًّا مِنْ قَبْلِكُمْ يَسْتَهْمُ الْبَاسَاءُ وَالضَّرَارُ وَذُلُّوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالْعَلِيُّ

أَسْوَأُ مِمَّنِي نَصْرَ اللَّهِ مَلَا أَلْفَ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ (البقرة: ۲۱۳)

یہاں انہی آزمائشوں کے تعلق سے بتایا گیا کہ جب دل اٹھ جائے دینے والے مصائب و شدائد کے مقابلے میں استقامت و محنت ہیں تو اللہ کی مدد آجاتی ہے اور یہ کہ اس کی قربت کے مستحق صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو آخر تک ثابت قدم رہیں "ہو جائے والے الی مصیبتوں

کے مقابلے میں چٹان ثابت ہوں، جن کے سر طوفانوں کے آگے نہ جھکیں۔ وہ صرف اللہ کی نصرت کے منتظر ہوتے ہیں کسی اور حل یا کسی اور کی طرف سے آئی ہوئی مدد کے بغیر! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا جبکہ وہ مکہ میں جو روہم کی چٹکی میں پس رہے تھے کہ ان سے پہلے لوگوں کو اس راہ میں شدید ترین آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا ہے ان میں سے بعض کو زمین میں گڑھے کھود کر ان کے اندر کھڑا کر دیا جاتا اور پھر آرا ان کے سر پر رکھ کر ان کے جسموں کو دو حصوں میں چیر دیا جاتا اور بعض کے جسموں پر فولادی کنگھیاں بچھری جاتیں جس سے ان کا پتھر گوشت سے اور گوشت ہڈیوں سے علیحدہ ہو جاتا لیکن اس کے باوجود وہ جئے رہتے اور اللہ کے دین سے پھرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ (بخاری)

حقیقت یہ ہے کہ اہل ایمان کی تربیت کے لیے یہ امر ناگزیر ہے کہ وہ ابتداء آزمائش سے گذریں اور اللہ کی راہ میں مختلف تکالیف، بھوک، جان و مال اور پیدوار کے نقصانات کے ذریعہ ان کی ثابت قدمی اور چٹکی کا امتحان ہو۔ مصائب و آلام کی بھی میں چپ چپ کردہ ہر طرح کی آزمائشوں سے پاک و صاف ہوں۔ یہ ابتداء اس لیے بھی ضروری ہے کہ اہل ایمان عقیدے کی تکلیف کو برداشت کرنے کے قابل ہو سکیں۔ وہ جس حد تک عقیدے کی راہ میں تکالیف برداشت کریں گے اور اس کی خاطر قربانیاں دیں گے اتنا ہی عقیدہ ان کے دلوں میں راسخ و مستحکم ہوگا اور اس کے ساتھ ان کی محبت و وابستگی میں اضافہ ہوگا۔ اسی لیے مومنین کے حق میں اللہ کا فیصلہ آزمائش کے بعد ہی نازل ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرے لوگوں کو بھی اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اسی وقت صحیح احساس و شعور ہوتا ہے جب وہ عقیدے کے حاملین کو اس کے باعث آزمائشوں سے گذرتے اور ان پر ثابت قدم دیکھتے ہیں۔ تب ہی عقیدہ مخالفین کے درمیان بھی غور و فکر اور منجیدہ بحث کا موضوع بنتا ہے اور وہ اس کی طرف لپکتے لپکتے ہیں۔ اس طرح ان کا احترام بھی اہل ایمان کے لیے نصرت الہی کا خوشگوار اور جانفزا حصہ نکلا ہوتا ہے۔

ایسی آزمائشوں اور جان و مال کے نقصانات کے وقت رہنما الی اللہ کی صورت میں خود سپردگی کا انداز اختیار کرنے والے خوش نصیب ہی وہ سابر و ثابت قدم لوگ ہیں جن کو ان کے مالک کی طرف سے اپنے یہاں مقام بلند کی خوشخبری دی گئی ہے فرمایا: **اولئک علیہم صلوات من ربہم ورحمتہ۔** (البقرہ: ۱۷۵) اور حدیث قدسی میں اللہ فرماتا ہے کہ: ”میرے پاس اپنے ایسے بندے کے لیے جو دنیا کی محبوب چیزوں کے نقصان پر صبر کرتا ہے جنت کے علاوہ کوئی بدلہ نہیں“ (بخاری) اسی طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”کسی مسلمان کو کوئی تکلیف و غم، حتمی بیماری، حزن و ملال یاں تک کہ کائنات کی جہنم جیسی تکلیف بھی نہیں پہنچی مگر یہ کہ اللہ اس کے بدلے میں اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے“ یعنی جب وہ ان پر صبر اختیار کرتا ہے۔ (متن علیہ)

اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں صبر و صلوة سے استقامت کی تعلیم فرماتا ہے: **یا ایہا النبی اسوا المستعین بالصبر و الصلوٰۃ ان اللہ مع الصابین۔** (البقرہ: ۱۵۳)۔ یہ راہ پھولوں کی سب سے لمبی گھاٹیوں اور کانٹوں سے پُر ہے۔ یہی طویل اور جھانکس ہے۔ اس میں قدم قدم پر مصائب و پریشانیاں ہیں، مزاحمتیں اور مخالفتیں ہیں اور صبری وہ زاد راہ ہے جو اس سفر میں ہر پریشانی اور مشقت کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: **وما اعطی احد عطاء خیرا و اوسع من الصبر** کہ ”کسی شخص کو صبر سے بہتر اور وسیع تر کوئی اور بھلائی عطا نہیں کی گئی“ (متن علیہ)۔ قرآن میں متعدد بار صبر کا ذکر آیا ہے۔ کیونکہ انسانیت کا خالق سب سے پہلے کہ اس حقیقت کا جاننے والا ہے کہ مختلف سلطانات اور محرکات کی کشاکش کے درمیان راہ حق پر استقامت کے لیے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے اسی طرح مصائب و آلام اور دشوار گزار مراحل کے درمیان دعوت الی اللہ کی قدر و اہمیت سے مددہ ہر آہونا انسانی صبر آزما اور سخت سعی و عمل کا متقاضی ہے۔ چنانچہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کے اعصاب مضبوط اور اس کے قویٰ مجتمع و متحد ہوں اور وہ اس راہ کے پیچ و غم سے اچھی طرح آگاہ اور ہوشیار ہو۔ ان تمام امور کے سلسلے میں صبر و استقامت درکار ہے: اطاعت الہی اور جملہ معصیوں سے اجتناب پر صبر، سرغوبات

نفس کی خوشنمائی اور مفادات دنیا کی تجریص کے خلاف صبر و صحت حق کو پھیلانے کے سلسلے میں جہد مسلسل اور اس جہد جہد کے بعد ان
انسانی نفس میں پیدا ہونے والے رنج و الم، غیظ و غضب اور دل کی تنگی کے مختلف احساسات و اثرات کے خلاف صبر و صحت حق کے حامیوں کی
قلت تعد اور ان کی کمزوری پر صبر۔ یہ خار اور پٹے خطر راستے کی طوالت، اس راہ کی تفتیوں اور تنگی کے اوقات میں شیطانی وسوسوں کے
خلاف صبر۔ انسانی قہر سے امید کی کمی، انتہائیت اور مایوسی و ناامیدی کے خلاف صبر اور بعد ازاں حالات کی سازگاری اور حق و نصرت
کے وقت ضبط نفس پر صبر و شکر۔

لیکن جب اعلیٰ حکمت اللہ کی جدوجہد زیادہ سے زیادہ پر خار و پر مشقت شکل اختیار کر لے اور اس راہ کی مسافت طویل سے طویل
تر ہو جائے پھر اس کے لیے زار و راہ بھی نہ ہو یا اسباب و وسائل کا فقدان نظر آنے لگے تو اس راہ کے راہی کا عزم و صبر ختم ہونے کا کمزور
پڑنے لگتا ہے۔ اسی لیے صبر کے ساتھ صلوٰۃ کو جوڑ دیا گیا۔ صلوٰۃ صبر اور رب کے درمیان ربط و تعلق کا نام ہے۔ ایسا ربط تعلق جس
سے دل کو قوت حاصل ہوتی ہے۔ دراصل صلوٰۃ دو چشمہ ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا اور اس سے اہل ایمان کو وہ زار و راہ ملتا ہے جو دنیا کے
تمام وسائل سے زیادہ قیمتی ہے اور وہ چشمہ حیات ہے جس سے ناکھانوں کو از سر نو طاقت ملتی ہے اور صبر کی رسی ایسی مضبوط و دراز ہوتی ہے
کہ لوٹے نہیں پاتی۔ یہی نہیں صلوٰۃ کے ذریعہ مومن کو صبر کے علاوہ بشارت، طمانیت اور یقین و اعتماد کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی یا ناصحہ حالات پیش آتے تو آپ صلوٰۃ کی طرف رغبت فرماتے۔ آپ کو تربیت دینی کئی
حق۔۔۔۔۔ والی ایک لوح علیہ علائکہ اللہ سے آپ کا تعلق بہت بہت اور لم بتزلزل تھا۔ اس لیے ایک ناپائیدار کمزور اور محدود قوت کے
حامل انسان کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ عظیم ترین قوت (اللہ عزوجل) سے ربط و تعلق قائم کرے اور جب وہ قوت حق کے لیے جدوجہد اور
مشقت اس کی محدود قوت سے تجاوز ہونے لگے تو وہ اس سے مدد حاصل کرنے میں لگ جائے۔ یہ امتحانات اس وقت اور بھی ضروری ہوتی
ہے جب مومن کو شر کی کھلی اور چھپی تمام قوتوں سے تہرہ ڈرنا ہوتا پڑتا ہے۔ جب خواہشات کی تحریک اور مفادات کی طمع کے درمیان راہ
حق پر استقامت کی جدوجہد اس کے لیے ایک بوجھل کام بن جاتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ شر پھیل پھول رہا ہے اور خیر اس کے مقابلے میں
لاچار و ناتواں ہے جب افق پر بدشعنی کی کوئی کمین اور کوئی نشان راہ نظر نہیں آتا۔ یہ سرچشمہ حیات آج بھی ہر مومن کی دسترس میں
ہے جسے راہ حق کے لیے توشہ درکار ہو، جو دوسرے کی شہید گری میں سیرانی کا طالب ہو، ہر طرف سے ہمد کے سسودہ ہونے پر ہمد کا طلب گار ہو اور
جسے مسلمان سفر ختم ہو جانے کے بعد زار و راہ کی ضرورت ہو۔ فی الحقیقت اللہ سے ملاقات اور تمام معاملات میں اس کی طرف رجوع کے یقین
ہی پر صبر و استقامت کا دار و مدار ہے۔ جب ان اقدار کے سلسلے میں انسان کی میزان درست ہو جائے تو پوری دنیا اسے ثمن قلیل اور مستعار
حقیر نظر آتی ہے اور آخرت اپنی حقیقی صورت میں اس کے سامنے نمایاں ہوتی ہے۔

آج بھی کتاب و سنت کی یہ تعلیمات اہل ایمان ساتھیوں کے لیے صبر و استقامت اور دیرپائی کا سامان ہیں۔ اس راہ کی دشواریاں
ہم جیسے کمزوروں کے لیے یقیناً بہت ہی سنگین ہیں تاہم انکا سامنا اس راہ کے مسافروں کے لیے ناگزیر ہے۔ نبی علیہ السلام کی حدیث ہے کہ
تم دشمن سے ملاقات یعنی اس سے مقابلے کی تمنا نہ کرو لیکن اگر اس سے مل بیٹھو ہو جائے تو صبر کرو اور یاد رکھو کہ جنت تم کو ان کے سامنے
میں ہے اس کے مطابق ہم آزمائش کی تمنا تو نہیں کرتے لیکن اگر اللہ کی راہ میں کوئی آزمائش آجائے تو پھر اسی پر توکل و بھروسے کے
ساتھ اسی سے اجر کی امید رکھتے ہوئے اس پر صبر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ وہ ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ
آزمائش نہیں ڈالے گا۔ اس کی بارگاہ عظیم میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی راہ میں صبر و استقامت سے نوازے۔ آمین!

اَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ

سکیم احمد صدیقی

اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو صرف اور صرف اپنی ہی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے

...وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾ (الذاریات: ۵۶)

ترجمہ: "میں نے جن وانس کو مگر اس لیے کہ وہ میری بندگی کریں۔"

سورۃ البقرہ میں انسان کی تخلیق اور اپنے احبابات کا ذکر فرمانے کے بعد اس سے ایک ہی مطالبہ فرمایا یعنی

...فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عُقْدًا ۖ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَعْلَمُوْنَ... (البقرہ: ۲۲)

ترجمہ: "پس تم (مخلوق کو) اللہ کا حصہ نہ لھراؤ جبکہ تم (اس بات کو) جانتے ہو۔"

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان رب ذوالجلال کی بندگی اس طرح کرے کہ صرف اسی کو اپنا خالق، مالک و رازق، پالنا، مشکل کشا، حاجت روا، داتا، وکیل، غوث، پیغمبر بنائے والا، مرادیں پوری کرنے والا، مصیبت ڈالنے اور ٹالنے والا اور اولاد دینے والا، غرضیکہ ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک و مختار سمجھے اور اس کا پختہ ایمان و عقیدہ یہ ہو کہ کوئی اور مخلوق، خواہ کوئی نئی ہو یا کوئی ولی، کوئی بھی جائدار یا بے جان اس کی ذات و صفات اور حقوق و اختیارات میں اس کا سا بھی و شریک نہیں اور نہ ہی کسی کے پاس کسی بھی قسم کے مافوق الاسباب تصرف کا یعنی بنانے، بگاڑنے، دینے، چھین لینے کا کوئی اختیار ہے بلکہ سب ہی اس کی مخلوق ہیں اور ہر طرح اس کے محتاج ہیں، اس کے حکم و فیصلہ کے آگے بے بس ہیں، سب اس کے در کے سوا ہی ہیں۔ سورۃ التین اور سورۃ الدھر میں اس بات کو بھی واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم پر خلق فرمایا اور کیونکہ بندگی میں اس کا امتحان مقصود ہے اس لیے اس کو عقل و دانش سے نوازا۔ چنانچہ انسان پر لازم ہے کہ پوری طرح غور و فکر اور شعور کے ساتھ اپنے رب کو اس کی عقل و کبریائی اور حکمت و توانائی کو پہچانے اور اس کے منصوبہ امتحان کو سمجھے اور صحت سمجھ کر بندگی کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اسی پر اس کی اخروی فلاح کا دار و مدار ہے۔ امتحانی منصوبہ کے تحت فکر و عمل کی آزادی ضروری ہے چنانچہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے۔

... اِنَّهُدِيْنَ سَبِيْلَ اِهْلَ الْاَكْثَرِ ۝ وَاَمَّا كُفُوْرٌ ۝... (الہ عم: ۳)

ترجمہ: "ہم نے اسے راستہ دکھا دیا اب خود وہ شکر کرنے والا ہے یا کفر کرنے والا۔"

اس ربانی منصوبہ امتحان کے تحت انبی و رسل شیطان لعین کو اس بات کی پھوٹ و صلت دی گئی ہے کہ وہ انسان کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرے اور اس کے ایمان و عقیدے کو شرکاء و فاسد عقائد و توہمات سے آلودہ کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے یہ

معتق ہرگز نہیں کہ رب العالمین نے جن وانس کو شیاطین کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جامع منصوبے کے تحت جن وانس کے ایمان کی حفاظت کا پورا انتظام فرما دیا ہے۔ ایک طرف تو عدالت کے ذریعہ فطرت انسانی کو الٰہ واحد کی بندگی کے مانع میں ڈھالا گیا پھر اس کی یاد دہانی اور حفاظت کے لیے انبیاء علیہم السلام کی ایشیت باری رہی۔ اس طرح مضبوط قلعہ بندی کر دی گئی۔ اب جو اپنے آپ کو حفاظت حصار میں محصور رکھیں وہ شیطانی دسترس سے محفوظ رہیں ان کے اوپر شیطان کا وارہ کبھی کارگر نہ ہو اس کے برعکس جو اللہ کی حفاظت سے کترا لیں اور اپنے دشمن شیطان ہی کے ہاتھ میں کھیلنا پسند کریں تو ان کو اختیار ہے کہ وہ اللہ کی حفاظت سے محروم ہو کر شیطان کا آل کار بن جائیں اور اسی کے مشن و منصوبہ کی تکمیل کے لیے اپنی زندگی بگاڑیں۔

اس بد نصیب انسان کی ستم خیزی اور چیرہ دستی دیکھئے کہ اس نے اپنے شقیں و کرم رب کے احسانات و انعامات کا کیا کفران کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اشرف المخلوقات بنایا۔ وہیب رزق عطا فرمایا اور محمود میں مخلوقات پر تسخیری قوتوں سے نوازا اور سب سے بڑھ کر انعام یہ کہ زمین پر ساء عطا فرمایا تاکہ وہ اتفاق وانس کے مشاہدہ سے اور اس کی قدرت کی نشانیوں سے اپنے عظیم رب کو پہچان لے اور اس کے ساتھ صحیح معنوں میں بندگی کا رشتہ قائم کر لے۔ کیا انسان نہیں جانتا کہ اس کائنات کا خالق و مدبر کون ہے؟ جس نے آسمان قائم کیا ہے؟ زمین کو پھیلایا ہے؟ کون ہوائیں چلاتا ہے؟ بارش برساتا ہے؟ اور اس کے ذریعہ زمین سے ضروری اجناس اگاتا ہے؟ کس نے اسے مخلوق نقطہ سے پیدا کر کے وجود بخشا قیمتی اعضاء کے ساتھ بہترین پیکر عطا فرمایا؟ مہمان زیمت مہم پانچایا۔ ماں باپ کے اندر محبت کے جذبات پیدا کر کے کس نے اس کی اور تمام مخلوقات کی پرورش کا انتظام فرمایا۔ الغرض کیا انسان کو نہیں معلوم کہ اس وسیع و عریض کائنات اور اس کے نظام کا خالق و مدبر کون ہے؟ انسان نے جن ہستیوں کے ساتھ بندگی کے تعلقات پیدا کر لئے ہیں ان کو اللہ کے مطابق نام بھی دئے ہیں اور ان کے بارے میں تصرف فی الامور کا عقیدہ بھی اپنایا ہے کیا وہ سب مل کر اللہ کے "مخلیق و تدبیر امر" کے درجہ والا کاسوں میں سے کوئی کالم بھی کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پھر ان ہستیوں کے ساتھ انسان کے بندگی کے تعلق کا کیا جواز ہے اس طرز عمل کی کیا بنیاد ہے؟ کتاب اللہ میں اس اہم مسئلہ کو مختلف انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنی مدعو اور مخاطب قوم کو ایسے جامع اور ناقابل تردید اتفاق وانس کے دلائل سے "پھنجھوڑا" لیکن نہ تو قدیم "مسلمان مشرک" کے پاس اسی کا جواب تھا اور نہ جدید "مسلمان مشرک" کے پاس اس کا کوئی جواب ہے۔ مقام حیرت ہے کہ زمان و مکان کے بے پایاں طویل فاصلوں کے باوجود ان کا نظریہ الہیت یکساں ہے اور مشرکات انداز بندگی میں کوئی خاص فرق نہیں۔ کوئی ہاتھ سے تراشے ہوئے کھڑے اور بیٹھے ہوئے کو نیلی دلی تصور کر کے ان کو داتا غوث اور حج بخش بہائے ہوئے پوج رہا ہے تو کوئی مرید اور گنگے مزے سلی میں وبے بے جان لاشوں کو رب کائنات کا قائم مقام بنا کر جھولیاں بھرتے والا قسمت بناتے والا مشکل کشا اور حاجت روا بناتے ہوئے پوج رہا ہے۔ ندو کے لیے پکا رہا ہے ان پر چڑھاوے ہیں، تعظیفات کے پھول اور چادریں ہیں، شکر گزاری کے لیے ان کے مخصوص دنوں میں نذر و نیاز ہے۔ ایک دیکھ پکپکات ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی اور خدائی تسخیر و تحقیق کے باوجود قدیم و جدید انسان، مفکر و دانشور، فلسفی و مفسر کے انداز فکر میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہ ہوئی۔ مادی ارتقاء کے انقلابی ادوار انسان کے فکری ڈھانچے پر قطعاً اثر انداز نہ ہو سکے۔ تو ہم پرستی اور کواکب پرستی میں پانچ ہزار سال قبل دور ابراہیمی کا مشرک اور آج کا مشرک ایک ہی سے انداز فکر کا حامل ہے اور ان بنادوں کے ساتھ دونوں کا طرز عمل یکساں ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ دراصل اللہ واحد کی بندگی کے عین فطری راستہ سے ہٹ کر انسان اپنے انہی دشمن شیطان کی گود میں جا کر رہا ہے جہاں شیطان اور اس کے ہمنواؤں کے پھیلائے ہوئے دام قریب کا شکار ہوتا ہے۔ مشرک و اوبام پرستی کے جال میں اس بری طرح پھنس جاتا ہے کہ قلب و ذہن پر قفل پڑ جاتا ہے، عقل سلیم ناکارہ ہو جاتی ہے، نور و فکر کے دروازے بند ہو جاتے ہیں پھر دشمن دین حق اس کی تقلید اعمیٰ کے نرم و گداز بہترین پھیکیاں دے کر ملادیتا ہے اور "فور ضو اب الحیوة الدنیا و اطلعنا لولہا" (سورہ نمل: ۷) کا مصداق بن جاتا ہے جس

کا مضمون ہے کہ یہ لوگ اپنی عیش و طرب کی زندگی پر راضی اور (توہم پرستی کی) روش پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک طرف تو نوری
 سادوں کے فاصلوں کی مسافت پر کواکب و نجوم انسانی قسمت پر اثر انداز ہونے لگتے ہیں تو دوسری طرف تعویذ گنہ سے گزرتے چھلے دھانگے
 تاکہ انکو غمی گھٹنے اور پھر اس کو نفع و نقصان پہنچانے لگتے ہیں۔ اور یہ ادہام پرست انسان اس عقیدے کو اپنا لیتا ہے کہ سیاہ و سرخ اور
 زعفرانی تحریریں نقش و نگار جادو کی مرتبہ ایجاد ہوتی ہیں۔ پر جتنی علم الاعداد کے کرشمے ٹوٹے دو ٹوٹے بیماری سے شفا دے سکتے ہیں بگڑی بنا
 سکتے ہیں! یہ کیسا بھٹک گیا انسان۔ تف ہے اس ذی شعور انسان پر "عالم اسباب میں رہنے والا مادی وسائل اور تصخیری قوتوں اور بے
 شمار صلاحیتوں سے مالا مال انسان قرآن و حدیث سے بے بہرہ ہو کر راہ ہدایت سے بھٹکا اور توہمات کے گڑھے میں جا کر اے حیف صد حیف!
 اللہ تعالیٰ نے اس کو اشرف المخلوقات بنا کر عز و شرف عطا فرمایا اور اس نے شکر گزار رہی کے بجائے کفران نعمت کی روش اپنا کر ہدایت و
 رہنمائی سے محروم کر کے اپنے آپ کو اسفل السافلین بنا ڈالا اور قمر قدرت کا مستحق ٹھہرایا۔ یہ تو بڑھا لکھا ہو کر بھی جاہل بن گیا۔ بظاہر تو یہ
 بات کچھ عجیب معلوم ہوتی ہے لیکن یہ ہے حقیقت کہ پڑھے لکھے شیطان کے کام آتے ہیں اور بے پڑھے لکھے "کالانعام" تو ان کے پیچھے
 ہی چلے رہتے ہیں الاما شاء اللہ۔ ان پڑھے لکھوں سے شیطان یہ کام لیتا ہے کہ کتاب اللہ کی آیات کے کتمان اور تحریف کے ذریعہ لوگوں کو
 گمراہ کریں "وعدت الودود" قسم کے نظریات پھیلا کر عید و معبود کے امتیازی فرق کو ختم کریں "عہود روح" کے عقیدے کو لا کر عہدوں کو
 زندہ کریں "انہیں متصرف فی الامور بنائیں" کثرت قبور کا عقیدہ ایجاد کر کے شعوق و طریقت کی راہ کھولیں اور قبوری دین کی بنیادیں استوار
 کریں تاکہ الواحد کی بندگی کے دین پر صوفیوں نے استوں اور قبر پرستوں کا مکمل غلبہ و تسلط ہو جائے "الامان الحفیظ" اسی لیے اللہ
 تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کو ان "پڑھے لکھوں" سے ہوشیار فرمادیا تھا۔

"اے مومنو! بے شک ان مہملوں اور پیروں کی اکثریت (کا حال یہ ہے کہ وہ) لوگوں کا مال باطل طریقے سے
 کھاتے اور ان کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔" (التوبہ: ۳۳)

اللہ کی نظر میں علم والے تو وہی ہیں جو خوف آخرت اور خشیت الہی کے حامل ہوں پھر ناجہ فرمایا۔

... انصافاً حششی الدہم من عبادہ العاجلین (الفاطمہ: ۲۸)

ترجمہ: "اللہ کے بندوں میں صرف علم والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔"

یعنی صحیح معنوں میں علم والے وہ سلیم الفطرت لوگ ہیں جو ایمان کے مسئلہ کو پورے شعور کے ساتھ سمجھ و دعوت کو قبول کریں اور پھر
 اپنے اندر خشیت الہی، تقویٰ، مہر، علم و امانت کے اوصاف کی نشوونما کریں یہ آخرت پر نظر رکھنے والے "اولوالالباب" ہیں۔ ان کا عالم یہ
 ہوتا ہے کہ جب بھی سچی بات ٹھوس دلیل کے ساتھ ان کے سامنے آتی ہے غور و فکر کے بعد اس کو قبول کر لیتے ہیں ایہ امانیت پرست و
 نہت و عزم نہیں ہوتے کہ باطل روش پر اڑے رہیں اور محوٹ کو بھی محض غلطی سے بچ ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ حقیقی مومنوں میں
 جاہل و عالم میں کسی امتیازی فرق ہے جس کو کتاب اللہ میں صراحت کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ پڑھے لکھے ہونے سے
 بھی ہجرت کی روش اختیار کرنے والے دعوت حق سے روگردانی کرنے والے نہ صرف جاہل بلکہ "اقم" (اندھے) ہیں۔ ان امام اور
 زریں اصول کی جامع تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ رد آیات ۱۹ تا ۲۲۔

الغرض قدیم و جدید جملا خواہ وہ جاہل مطلق ہوں یا نام نہاد "پڑھے لکھے جاہل" ادہام پرستی کے مرض خبیث میں یکساں طور سے مبتلا
 آتے ہیں۔ مثلاً "آج بھی مہذب و متین شخص و عقیدت کے جذبہ کے ساتھ کینوں پتھروں اور نقش والی انگوٹھیاں پہنے نظر آتے ہیں۔ بعض
 پتھر یا گھنے کے جسم سے مس ہونے کو موثر مانتے اور کبھی کسی پتھر کو شخص سمجھ کر تبدیل کر دیتے ہیں۔ توجہ دالانے پر بعض اقراویہ کہہ کر جان
 چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ تو محض شقی پورا کرنے اور حسن و وقار کے لیے ہے عقیدہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ممکن ہے کسی

حد تک ان میں سے بعض کی توجہ درست ہو لیکن اس حقیقت کو کون جھٹکے گا کہ یہاں یہ رعب و زہمت اور زہد و رات کے ذریعہ آہ نکش تو صرف اور صرف خواتین کے لیے مخصوص ہے اور وہ انگوٹھی پہنے اور دیگر زیورات، اس مقصد کے لیے استعمال کرنے میں حق بجانب ہیں۔ لیکن خواتین بھی گھینے پتھر اور نقش والی انگوٹھیاں، جذبہ عقیدت اور خیر و برکت یا نفع و نقصان کی تاثیر کے عقیدہ کے ساتھ استعمال کریں تو یہ شرکاذن فعل ہو گا۔ اور جہاں تک مردوں کا تعلق ہے تو ان کے لیے اس قسم کی زیبائش یہاں دنیا میں ممنوع ہے البتہ جنت میں ان کو پیش نمازی و زیورات پہنائے جائیں گے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ پیشہ و زیندار اور عام ناماد علماء و پیر اپنے ایجاد کردہ ادھام پرستی پر مبنی شرکاذنہ افعال کے لیے جواز فراہم کرنے کی کوشش میں کتاب اللہ کی آیات کی من مانی تاویل سے بھی گریز نہیں کرتے۔ پتھروں اور انگلیوں کے تقدس کے لیے قرآن سے دلیل لاتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر سورہ رحمن میں فرمایا ہے پھر قرآن کی افادیت سے کیسے انکار کر سکتے ہو۔ یہ ایک فریب کارانہ انداز ہے کہ آیات قرآنی کو حیا و سباق سے ہٹا کر اپنے معنی و مقبوم کا لباس پہنا کر باطل مقصد کے لیے بے نفع استعمال کیا جائے۔ سورہ رحمن کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے صالحین کے لیے جن علامات کا ذکر فرمایا ہے ان میں بچی نگاہ والی (باحیا و حسین) خواتین کا بھی ذکر ہے جن کو (حسن و الطاف کے لحاظ سے) یا قوت و مرجان (انمول بیہوں اور بچے موتیوں) سے تشبیہ دی گئی ہے چنانچہ فرمایا:

كَانَ هُنَّ السَّاقُوتِ وَالْمَرْجَانِ۔۔۔ (رحمن: ۵۸)

یعنی وہ (عورتیں) انہی حسین و جمیل ہیں گویا کہ یا قوت و مرجان ہوں۔ ظاہر ہے کہ یا قوت و مرجان کا ذکر یہاں پتھروں اور موتیوں کی نفع و نقصان کی تاثیر و افادیت ثابت کرنے کے لیے نہیں بلکہ حسن و جمال و دلکش کی وجہ سے اور ان کے نامور انمول ہونے کی وجہ سے تشبیہ کیا گیا ہے۔ اگر پتھروں اور موتیوں میں منفعت اور خیر و برکت کی تاثیر ہوتی تو زبان نبوت صمد اور اس کو ظاہر فرماتی اور صحابہ کرام جو بے حد خیر کے حریص تھے بڑے ذوق و شائق سے گلے والی انگوٹھیوں کا استعمال کرتے اور اپنے تابعین کو بھی اس کی تلقین فرماتے لیکن خیر القرون سے نہیں اس کا ذرا بھی ثبوت نہیں ملتا کہ سلف صالحین پتھروں اور انگلیوں نمروں اور چھلوں وغیرہ کے سجد و تحس ہونے اور کار و بار و معاملات میں خیر و برکت یا بیماری میں شفاء کی تاثیر کا عقیدہ رکھتے ہوں۔ اس کے برعکس بخاری کی روایت کے مطابق عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خطاب بن الارت رضی اللہ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا فرمایا "ہاں ابھی تک اسے اتارنے کا وقت نہیں آیا" تو خطاب نے فوراً اپنی انگوٹھی اتار دی۔ القرمی نے عقیدہ کی خرابی "ادھام پرستی اور بے جان چیزوں میں خیر و برکت اور منفعت و معصرت کی تاثیر کا تصور نبی علیہ السلام اور دو صحابہ کے صدیوں بعد کی ایجاد ہے" مصنفین اور ان کے ہمنواؤں نے ہی اسے پروان چڑھایا اور اب تو یہ ایک وسیع کاروبار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ پتھروں کے یہ بیویاری لوگوں کو کس کس انداز سے فریب دیتے ہیں اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ لوگوں کے جذبہ عقیدت کو ابھارنے کے لیے ان کو بتایا جاتا ہے کہ یہ پتھر اور گھینے ایران و عراق کے مقامات مقدسہ کو مس کئے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ان کی تاثیر و چند ہو گئی ہے۔ ملاحظہ ہو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قبروں کو بچتے بنائے اس پر عبارت "عقیدہ و غیرہ جالتے اور وہاں مجاورین کریمین سے منع فرمایا ہے (سلمہ من جائز تو غیر ایسے مقامات جہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی سرخ خلاف و دروڑیاں ہوں) وہ مقامات مقدس کہے ہو گئے۔ جن قبروں یا مزاروں کو انصار عقیدت مراد میں مانگتے، گھنٹی بنانے حاجت روائی اور فریاد رسی کے سرائے بنایا جائے اور آراستہ کیا جائے جہاں قبیں ساقی اور سجدہ ریزی ہو" یہ قبریں اور مقبرے تو بت بن جاتے ہیں اور ایسا کرنے والوں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے (بخاری)۔ ایسے مقامات کو مقدس قرار دینا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کا مذاق اڑانا بلکہ منہ چرانا ہے ایمان الخلیفہ اتویہ سے حقیقت اس شرکاذنہ عقیدہ گھینے کے کار و بار کی۔

اکثر و بیشتر علم الاعداد کے تحت تاریخ پیدائش اور تاریخ کے درجہ کسی پتھر یا نقش کا بھی انتخاب کیا جاتا ہے کہ کون سا پتھر سعد ہے

خوشحالی و برکت کا سبب ہے اور کون سا شخص و بد حالی کا باعث۔ قرآن و حدیث سے دوری نے لوگوں کو براہیدایت سے کیسا بھٹکادیا ہے۔ یہ اصول گئے کہ خیر و شر کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اس نے نہ کئی اختیار کسی کو دیا ہے اور نہ جزوی۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ بعض کمرہ لوگوں نے علمِ حق اور علمِ الاعداد وغیرہ کا موجد امام جعفر صادقؑ کو اور بعض نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ٹھہرایا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ صوفی اپنے دین طریقت کی ابتداء علی رضی اللہ عنہ سے کرتے ہیں۔ یہ محض اتمام ہے جو اپنے باطل موقف کے دفاع کے لیے ان اللہ کے نیک بندوں پر لگایا گیا ہے۔ اللہ کے ولی و ایماندار و متقی و پرہیزگار ہوتے ہیں (سورہ یونس: ۳۳) "وہ صراطِ مستقیم ہی پر گامزن رہتے ہیں اور شیطان پگھلے نمروں سے بھڑکے دور رہتے ہیں۔ محققین کے مطابق قدیم زمانہ کی آریائی، طبرانی، یونانی اور مصری قوموں میں ان عقلی علوم و عملیات کا دستِ رواں تھا بعض کے نزدیک ان علوم کے موجد اہلِ یافیل تھے علم نجوم کی طرح علمِ الاعداد کا انحصار بھی سماوی اشیا کے نظم سے ہے۔ علمِ الاعداد کی ترقی بنو ریاضیات و سائنس کی طرح صنعت و نیکنامی میں معاون ہو قابلِ قبول بلکہ قابلِ ستائش ہے لیکن اگر اس کو محض نوئے نوئے اور توہماتی و عقلی عملیات کی شکل میں قرآن و حدیث پر مسلط کر دیا جائے تو وہ انتہائی قابلِ مذمت اور قابلِ نفرت ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ لوگوں کی دین سے بے پرواہی، اعلیٰ اور قرآن و حدیث سے دوری سے فائدہ اٹھا کر یہ علمائے سوء و بد آدمی کے روپ میں دوکانداری چمکانے والے جن کی ظاہر و انداز اور طبیعت سے لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں، افلاطنی اور منطقی اعداد سے لوگوں کو دامِ فریب میں پھانس لیتے ہیں اور علمِ الاعداد کے گورکھ و حندے میں الجھا کر قرآن و حدیث سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ اب اس کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ عربی کے حروف تہجی کو آئینہ الفاظ میں تقسیم کیا گیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

ا ب ج د ہ و ز ح ط ی۔ ک ل م ن۔ س ع ف ص۔ ق ر ش ت ث خ د۔ ض ظ غ

ان الفاظ کے حروف کو ایک سے لے کر ایک ہزار تک کے اعداد و مندرجہ ذیل سلسلہ وار لکھنے کے تحت دئے گئے ہیں۔

۱ (۱)۔ ب (۲)۔ ج (۳)۔ د (۴)۔

ک (۲۰)۔ ل (۳۰)۔ م (۴۰)۔ ن (۵۰)۔

ر (۲۰۰)۔ ش (۳۰۰)۔ ت (۴۰۰)۔ ث (۵۰۰)۔

یہ اعداد حروف و الفاظ کی جگہ تصویفات و نقوش و غیرہ میں (مریحوں و قیروں کی شکل میں) استعمال کئے جاتے ہیں اور پھر ان کو مختلف امراض میں شفاء اور مساکن کے حل کے لیے نگلے میں تنکایا جاتا ہے، بازو وغیرہ میں باندھا جاتا ہے یا پانی میں گھول کر پلایا جاتا ہے اور اس طرح شرکاتہ عقیدہ و عمل سے اللہ اور رسول کے احکامات کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ ستم یارائے ستم یہ کہ اعداد کو قرآن کی بعض آیات کا لغیم البدل قرار دیا گیا ہے، چنانچہ خطوط اور دیگر تحریروں سے قبل "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کی جگہ اس کے جملہ حروف کے الجبری اعداد کا مجموعہ "۸۶" لکھ دیا جاتا ہے اور اس عدد کو بسم اللہ کا لغیم البدل تصور کیا جاتا ہے۔ دیکھ لیجئے، کیسا کارگر ہو اسے شیطانی حربہ اس دینِ اسلام سے قاتل قوم پر۔

اس قدر یہ عجیب ہے یہ نام تباہ امت مسلمہ۔ کتاب ہدایت اس کے پاس ہے جس میں اس کی رہنمائی کا جامع اور مکمل مواد موجود ہے۔ یہ کتاب ایک طرف تو اس کی زندگی کا لائحہ عمل ہے تو دوسری طرف اس کی اجتماعیت کا آئین و منشور۔ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جو اس کو بہترین انسان بنانے اور اس کے ذہنی و دشمن شیطان کے حملوں سے پوری طرح بچانے اور اس کا تعلق اپنے نگراں و تمسبان اور اس کے کارساز رب سے جوڑنے و کٹنے اور اس کے حفاظتی قلعے میں محفوظ رکھنے۔ اس رحیم و کریم رب نے تو اس کتاب ہدایت کو بے حد آسان اور عام فہم بنا دیا ہے تاکہ ہر ہدایت کا طلب گار اس سے استفادہ کرے۔ کاش یہ بے خیر اور نا فاعل انسان اس شدید و سخت ضرورت

کا احساس پیدا کرے کہ اس کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے حقیقی رب کی معرفت کس طرح اس کے ساتھ زندگی کے تعلق کو پورے شعور و اور ان کے ساتھ قائم کرے۔ ٹھیک اسی طرح عیساک خود رب و اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے:

انذربکم اللہ الذی خلق السموات والارض۔۔۔ نہ کہروا (سورہ یوسف: ۳)

ترجمہ: ”بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو سچے دلوں میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر متمکن ہو گیا۔ تہیہ امر کر رہا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے۔ اللہ تمہارا رب ہے تمہاری ہی عبادت کرو۔ کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے۔“

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اور عظیم اور حکیم و قادر مطلق ہے جس نے اس کائنات کو بتدریج منسوب اور پائیدار کے ساتھ خلق فرمایا۔ پھر عرش عظیم پر متمکن ہے اور تہیہ امر کر رہا ہے۔ یعنی اس کے کام کو مکمل اور انتہائی مستحکم قوانین کے تحت چلا رہا ہے۔ اس کی کائنات کے کسی گوشہ میں کوئی نقص نہیں۔ اس کے ایک ایک ذرہ پر اس کا مکمل کنٹرول ہے۔ اس کے علم و مشیت کے بغیر نہ کوئی ذرہ حرکت کر سکتا ہے اور نہ کوئی پتہ کر سکتا ہے۔ وہ ہے شمار مخلوقات کا خالق و رازق اور پالنا رکھتا ہے۔ ہر لمحہ سب کی سنتا ہے اور ہر ایک کی ضرورت پر مہربانی کرتا ہے۔ اس کی قدرت و حکمت و توانائی و صلاحیتیں اور اعتبارات لامحدود ہیں اور اس کی ذات کسی بھی کمزوری اور ناتوانی سے محروم اور اعلیٰ و ارفع ہے۔ کسی فرشتے کی یا ولی کی کیا مجال کہ کوئی اس کے ارادے، مشیت یا فیصلے میں غلطی ہو۔ جن و انس سب اس کی مخلوق ہیں قوانین قدرت کے تابع ہیں۔ محدود توانائیوں اور صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ سب ہی اس کے سامنے مجبور و سب اس میں اس کے خالق ہیں۔ صرف ایک اس کی ذات غنی ہے اور سب اس کے در کے موالیٰ ہیں۔ یہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان۔ پوری کائنات اور اس کا نظام اس کے بقدر قدرت میں ہے جس و قہر کی گردش بلکہ تمام اجسام فلکی کا نظام اسی کے علم کے ماتحت ہے۔ ہواؤں کا چلنا، بارش کا برپا ہونا، فصلوں کا اُگنا سب کچھ اسی کے اذن و مشیت پر منحصر ہے۔ نفع و نقصان سب اس کی مرضی میں ہے۔ عزت و ذلت اور افتادہ و افرادہ و اقام کی خوش حالی و بد حالی سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی اس کا حصہ دار نہیں ہے۔ دنیا عالم اسباب ہے۔ ہر عام اسباب کے تحت چل رہا ہے اور تمام اسباب خالق اسباب کے تابع اور اس کے اذن و مشیت کے ماتحت ہیں لہذا صرف اور صرف اسی ذات مافوق الاسباب یعنی اسباب سے بالا تر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام اور اپنے آخری نبی کو اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت (عبود و معبود کا تعلق اور انداز زندگی) سکھائے اور سمجھائے۔ انہیں اور انہوں نے اپنی ذات سے اس کا عملی نمونہ پیش کر کے دکھایا۔ انہوں نے عالم اسباب میں اسباب استعمال کرتے ہوئے ہی زندگی گزارنے کا ڈھنگ بتایا۔ تمام معاملات اور مسائل کو دائرہ اسباب کے اندر حل کرنے کا طریقہ دکھایا۔ تعویذ و کنوؤں و غیرہ کو شرک قرار دیا اور محرومی و کمزوری کو ضرورت سمجھایا۔ شہر کار، بھارت، یوٹک اور کھانے پینے کی چیزوں پر دم کو منحوس قرار دیا گیا۔ پھر صحابہؓ اور تابعین و تبع تابعین (میں نے تیرے اقربوں فرمایا) اسی سوا اللہ تعالیٰ پر کامزن رہے اور کبھی اوہم اور ہر گز بتوڑوں میں نہ ٹپکے۔ وہ شرک سے پاک ایمان اور دین خالص کے ساتھ رب کی بندگی کا حق ادا کرتے رہے اللہ کی رحمت و نصرت ان کے شامل حال رہی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علمی، سیاسی و اقتصادی عروج و کمال عطا فرمایا اور اقوام عالم پر برتری اور غلبہ دیا۔ بلاشبہ وہ اللہ کی عطا کردہ نعمت ایمانی کے سچے تدر و انہوں کی ایک تاریخ ساز قوم تھی۔ ان کا دور انسانی تاریخ کا ایک قابل فخر و رشید باب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں سب کو ان سے کہی و امانت محبت عطا فرمائے اور ان کے نقش قدم کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ حالات بھی ایک جیسے نہیں رہے۔ عروج و زوال کے ساتھ انحطاط و زوال بھی لگا ہوا ہے۔ عامل کتاب امتوں کے اندر رہا۔ ان کے ”پڑھے لکھوں“ کے ہاتھوں ہی آنا ہے۔ شیطان ان پر وار کرتا ہے۔ ان کو پیش و طرب کا عادی اور لذت آفرینی

والفہ اندوڑیوں کا دلدادہ بنا دیتا ہے۔ شیطان کے وام فریب میں گرفتار ہو کر دنیا سے محبت اور آخرت سے غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں اور حامل کتاب ہوتے ہوئے "انہم لم یحملوا اھلہا" کے مرض کا شکار ہو جاتے ہیں (یعنی کتاب کی تعلیم پر عمل نہیں کرتے) (سورۃ الجمد) اللہ کی کتاب ان کے ایمان پر مبنی اور پرہیزی جاتی ہے لیکن محض قوی ورثہ اور رواج کے طور پر نہ مگر عمدہ ربانی کا حق ادا کرنے کے لیے۔ وہ دنیا کی بدائی اور اس کے حصول میں مست ہو کر صراطِ مستقیم سے دور ہو جاتے ہیں۔ امتناع دنیا کے چھپے دوڑے لگتے ہیں۔ پھر اپنے ہم نواؤں کے ساتھ مل کر اپنے زیر اثر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ قرآن میں اس صورت حال کی منظر کشی مٹی مٹی سے:

فخلف من بعلمہم خلف ورفوا الکتاب..... افلا تعقلون..... (۱۱۶ عارف ۱۱۶)

ترجمہ: "پھر ان (خیر القرون) کے بعد ایسے لوگ ان کے مانعین ہوئے جو کتاب الہی کے وارث ہو کر سماج دنیا سمیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو مخالف کرنی چاہیے گا اور کچھ دو محتاج دنیا مانعے آتی ہے تو آپ کتاب کو لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے کتاب کا عند نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ کے نام پر حق کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اور یہ کتاب میں جو کچھ ہے اسے خود پرچہ بھی پکے ہیں۔ دار آخرت تو متقیوں ہی کے لیے بہتر ہے۔ کیا تم اتنا بھی عقل سے کام نہیں لیتے؟"

یعنی خیر القرون کے بعد ایسے لوگ دین کے وارث بنے جن کے پاس اللہ کی کتاب محض ورثہ کے طور پر موجود ہے۔ اس کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں لیکن اس سے ہدایت حاصل کر کے اس کو پھیلانے کی بجائے دنیا کے مفادات سمیٹنے میں لگ جاتے ہیں۔ عمدہ ربانی کو قراموش کر کے کتاب اللہ کی ہدایت کو چھپا کر اس کو صرف دنیا کمانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان کو یہ احساس بھی نہیں رہتا کہ دائمی نعمتوں والا آخرت کا گھر جو صرف متقیوں ہی کے لیے ہے اس دنیا کی عارضی متاعِ قلیل سے یقیناً بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورتحال کو مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر نبی کے قبیح، مطیع و فرمانبردار اس کے حواری (صحابہ کرام) ہوتے ہیں۔ پھر ایسے لوگ آتے ہیں جو "یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یومرون" یعنی وہ جو کہتے ہیں کرتے ہیں اور ان کا عمل اللہ کے حکم کے خلاف ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے خلاف ہمدردی سے کہا یا ہمدرد یا جہاد یا لسان کا حکم فرمایا ہے۔ (مسلم عن عبد اللہ بن مسعود) اب یہ اس نام نہاد امتِ مسلمہ کی بد نصیبی ہے کہ قرآن و حدیث کی نشاندہی کے مطابق (جو اگرچہ اس وقت کی حامل کتاب قوموں کے تباہ کردار و حوالہ سے نبی کی مٹی تھی) یہ بھی اپنے اہلار و رہبان کے ہاتھوں (کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ) سے دور ہو کر یا نکل اس طرح بدترین گمراہی کا شکار ہوئی ہے جیسے وہ ہوئی تھیں۔ اللہ اور رسول پر ایمان کے یہ دھمیدار شیطان اور اس کے آلہ کار شیاطین الناس کے وام فریب میں پھنس کر صراطِ مستقیم سے منحرف ہو کر کفر و شرک کی ہلاکت خیز راہوں میں پھنسنے لگے ہیں۔ قبر پرستی اور ہام پرستی ان کا دین ہے۔ عربوں ان کے دانا و تخیل بخش ہیں۔ ان کی قبروں پر چادریں اور چڑھاوے عرس میلے ہیں۔ وہاں بدکار ملنگی قلندر اور چڑھی ان کو اولاد دیتے یا ولواتے ہیں۔ مشکل و مصیبت میں انھی سے امیدیں ہیں۔ انھی کی پکار میں ہیں۔ اغرض امید و بیم کا غائبانہ تعلق رب کی بجائے ان مردوں سے ہے اور مقررہ دونوں پر ان کے نام کی نذر و نیاز ہے۔ ہلا خیر شرک کی شکل میں اللہ کو گالی دینے والوں اور اس کے وقار و عدا سے بے احتیاطی برتنے والوں پر رب ذوالجلال کا قہر و غضب ٹوٹ پڑا ہے۔ چنانچہ صدیوں سے یہ امتِ ذلت و رسوائی سے دوچار ہے۔ ہر طرف خون ریزی اور عورتوں کی آبروریزی ہے۔ بری طرح معاشی و اخلاقی ہستی و بد حالی کا شکار ہیں۔ اقوامِ عالم جن کے یہ مقروض ہیں ان پر قہر ٹوٹ رہی ہیں۔ نام نہاد آزادی کے بعد تو اور بھی شدت کے ساتھ سماج کے غلاموں کی غلامی کے شکنجے میں جکڑ دئے گئے ہیں۔ کوئی بھی حامی و ناصر تو کیا ان کا پرسان حال بھی نظر نہیں آتا۔ اللہ کی نعمت کا دولت ایمانی کا کفران کرنے والے عالمین کتاب پر دنیا میں بھی اللہ کے عذاب کا کوڑا برستا ہے اور یہ علامت ہے آخرت کے شدید دوائی عذاب کی۔ مالک کا فرمان ہے:

الم تدر الی الذین مدلو انھم اللہ..... الی البار..... (ابراہیمہ: ۲۸ تا ۳۰)

ترجمہ : "تم نے دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی نعمت کو انحرافِ نعمت سے بدل ڈالا اور اپنی قوم کو (یعنی) اور بلاکت میں جھونک دیا، یعنی جہنم جس میں وہ جھلسائے جائیں گے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔ انہوں نے اللہ کے کچھ ہنرمند بنائے تاکہ وہ انہیں اس کے رامت سے بھٹکا دیں؟ ان سے کہو کچھ حزن نہ کرو انجام کار تمہیں پلٹ کر جہنم میں ہی جانا ہے۔"

کفر و شرک اور قرآنی کی ان گناہوں میں کتاب اللہ امید کی شعلہ روشن کرتی ہے۔

والذین یمسکون بالکتاب..... اجر المصلحین (سورۃ اعراف: ۵۷)

ترجمہ : "اوپر وہ لوگ جو کتاب اللہ سے تمسک کرتے ہیں" اعلیٰ درجہ کا اجر ہے جو ایسے مصلحین کا عمل ہے۔

یعنی وہ مجید، ذمہ دار اور سلیم القدر لوگ جو متحد حیات کا شعور پیدا کر کے ایمان و عقیدہ کو شرک کی گہوڑی سے پاک کر کے اللہ کی بندگی کے لیے اپنے دین کو خالص کر لیں اور غیر امت بن کر انہیں دعوت حق کے ذریعہ اصلاحی مشن کے حامل بنیں تو ایسے ہی انقلابی مجاہدوں کی اللہ کے دین کو ضرورت ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں جان و مال لگائیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے انعاماتِ بہشت کی دائمی عمارتوں کا حقدار بنائے۔ اسبابِ اہل کے لیے ان کے مالک حقیقی نے کیا کچھ تیار کر کے رکھا ہے کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تنہا قرب کے وعدہ پر یقین کا مرحلہ ہے، نکل اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ان کا دل "حق سرت اور شادابی سے سرشار ہوگا" انھوں میں شب یہ دیکھیں گے کہ آج جو آخرت سے ہے فکر شیاطین والہی (جوہر اور سوہوہر) کا طوق غلامی اپنی گردنوں میں ڈالے ہوئے اندھے عقلمند کو گمراہی میں سرگرم ہیں، اب ذوالجلال ان کو چھٹ کر علیحدہ کر دے گا اور پھر ان کو انکارِ ایمان سے نکالے گا۔

— اَللّٰہُمَّ صَلِّ عَلٰی سُلَیْمَانَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَسَلٰتِہٖ وَسَلَّمَ (نہجہ: ۶۳)

ترجمہ : "اے اللہ کے نبی! ایمان میں تم سے بعد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا اور تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری ہی بندگی کرنا چاہتا ہے۔"

قرآن میں وقت جہاں ان کا کام و کامرانی کر رہا تھا وہی اور دولت و وسعت کا احسان ہو گا۔ امت کی شدت میں اپنے ہاتھ کاٹنے کے اور آرزو کر کے کہ پھر دنیا میں بھیج دے جائیں کہ کچھ ماضی کی غلطی کریں، لیکن یہ تو زوفاک میں مل جائے گی تو میری طرف اسبابِ اہل کے پاس رب رحیم کے پاس سے "سلام قبول" من در سو حسیم کے پیغامات موصول ہوں گے اس لیے کہ یہ رب ذوالجلال والا کرام کے دشمن ہوں گے۔

بادشاہ رب العزت میں دست بدعا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان خالص و ثابت کے ساتھ اپنے دین کے متکشف چرے کے لیے کی تو فی حق احسن سے نواز دے اور پاک و خالص اپنے ان بندوں میں شامل فرمائے جن کے لیے وعدہ ہے کہ:

اَللّٰہُمَّ صَلِّ عَلٰی سُلَیْمَانَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَسَلٰتِہٖ وَسَلَّمَ (نہجہ: ۶۳)

ترجمہ : "جو لوگ (شرک سے پاک) ایمان لائے اور کمالِ کمال میں صلح کرتے رہے انہیں ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے دعوت سے نوازے گا۔ نعمتِ محمدی جنوں میں ان کے لیے فرجی رواں ہوں گی۔ وہاں ان کی پکار ہوگی "سبحنک اللہم" (پاک ہے تو اے اللہ) اور ان کی دعا ہوگی "سلام" (یعنی سلامتی ہو)۔ اور ان کی ہر بات کا اختتام ہوگا "اے اللہ رب العالمین" (یعنی سب تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہی ہے)۔"

بیتہ : قافلہ ہے روانِ دوان

بعد ازاں کراچی کے سعید احمد صاحب نے سورۃ المؤمنون کی آیات وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ اَنْتُمْ یَوْمَ الْقَبْرِ تَعْمَلُونَ کے حوالے سے عذابِ قبر کے موضوع پر تقریر کی اور کتاب و سنت کے مختلف حوالوں سے عذابِ قبر کا عذابِ رب رب کے سطع میں وضاحت کی کہ اس کا تعلق اس دینی گڑھے (قبر) سے نہیں بلکہ رزخ سے ہے۔

سعید احمد صاحب کی تقریر کے بعد شرک و اجتماع کے درمیان قرآن وحدیث پر بھی معلوماتی پروگرام ہوا جس میں ساتھیوں نے بونے ذوق و شوق سے حصہ لیا۔ یہ پروگرام مختلف موضوعات پر معلومات افزا ہونے کی وجہ سے خاصی دلچسپی کا باعث رہا۔

صلوۃ فخر کے وقفے سے قبل یہ تین روزہ تربیتی اجتماع امیر تنظیم کے اختتامی کلمات پر اختتام پذیر ہوا۔

تحریر
سَعِيدُ أَحْمَد

یوسف علیہ السلام

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے زمین پر انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جو مختلف اوقات میں لوگوں کے پاس اللہ کا پیغام لے کر پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے "بعض کو بعض پر" (بخزوی اعتبار سے) فضیلت عطا فرمائی" (البقرہ ۲۵۳ "۱" سراج ۵۵)۔ یوسف علیہ السلام اس عظیم المرتبت سلسلے کے ایک برگزیدہ پیغمبر تھے جنہیں مالک الملک نے نبوت کے ساتھ اقتدار بھی عطا فرمایا۔ آپ کی حیات طیبہ کے واقعات کو جاننے کے لیے ہمارے پاس ایک نہایت ہی مستند اور جامع ماخذ سورۃ یوسف ہے۔ قرآن میں انبیاء علیہم السلام کے نام پر اور بھی سورتیں ہیں لیکن یہ سورۃ اس امتیازی خصوصیت کی حامل ہے کہ اس ایک ہی سورۃ میں یوسف علیہ السلام کی زندگی کے اہم حالات کو اتنی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ اس کے مطالعہ سے حیات طیبہ کے واقعات کی مکمل منظر کشی ہو جاتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لی جائے کہ قرآن میں بیان کردہ واقعات تقریباً طبع اور لطف اندوزی کے لیے ہرگز غنیمت بلکہ عبرت و نصیحت کے لیے اور دولت کے عظیم مقصد کو پورا کرنے کے لیے ہیں۔ چنانچہ یہ سورۃ جہاں یوسف علیہ السلام کی زندگی کو ہمارے لیے نصیحت و وعظ غلط کے ایک بہترین موقع اور اعلیٰ ترین نمونے کے طور پر پیش کرتی ہے وہاں کئی دور کے حالات میں یہ ایک اہم اور موثر و عموماً کوئی کر دہ اور کرتی ہے۔ دراصل کفار مکہ نے یہودیوں کی ترغیب پر نبی علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کے بارے میں اور مصر میں ان کے داخلہ اور ممکن کے بارے میں جو سوال پوچھے اس کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اس میں ان کو بھیجوڑا گیا:

○ لقد کان فی یوسف و اخوته البت للساتین ○ (یوسف: ۸)

ترجمہ "حقیقت تو یہ ہے کہ یوسف اور ان کے بھائیوں (کے واقعات) میں ان پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔"

یعنی اے مکہ والو! اس تاریخی واقعے میں تمہاری عبرت نکاحی کامان ہے۔ تاریخ کے آنے میں دیکھ لو کہ آج ہمارے نبی کے ساتھ تمہارا کروار یوسف کے بھائیوں سے کس قدر متماثل ہے۔ ہماری رحمت و شہرت سے ہمارا نبی یوسف کی طرح عزت و سرفرازی سے ہمکنار ہونے والا ہے جبکہ تم اپنی ظلمات و جاہلانہ روش سے ہمارے قہر و غضب کو دعوت دے کر ذلت و رسوائی سے دوچار ہو کر رہو گے۔ سورۃ یوسف میں جو پیش گوئی بین السطور کی گئی تھی فتح مکہ نے اس کی عملاً تصدیق فرمادی۔ اس سورۃ کی اہمیت اور اس میں بیان کردہ واقعات کے اصلاحی پملو کی قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے خود "احسن القصص" فرمایا ہے:

○ نحن نقص علیک احسن القصص... لمن الغفلین ○ (یوسف: ۳)

ترجمہ "ہم اس قرآن کے ذریعے جو تمہیں وحی کیا گیا ہے تمہیں ایک بہترین قصہ سناتے ہیں اور نہ اس سے پہلے تم اس سے پائفل بے خبر تھے۔"

اور یہ برکت والی زمین وہی ہے جہاں اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک الاسری تشریف لے گئے تھے (سورۃ بنی اسرائیل تا) یعنی ارض فلسطین جہاں مسجد اقصیٰ (قبلہ اول) ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے بعد اٹھنی اور یعقوب یحییٰ رہائش پذیر رہے اس علاقہ کو کنعان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کو مصر میں حکم عطا فرمایا تو یہ قائدانہ دہانہ منتقل ہو گیا۔ سورۃ المؤمنین میں فرعون کے دربار میں راجل مومنین کی تقریر میں یوسف علیہ السلام کا ذکر ہے:

(۱) وَالْقَدْحَاءُ كَمَا يُوسُفُ مِنْ قَبْلِ هَٰؤُلَاءِ نَبِيٍّ مِّنْ قَبْلِ هَٰؤُلَاءِ مَعْلُومٌ سَوَّلًا..... (المؤمنین: ۳۳)

ترجمہ: ”اور چنگ اس سے پہلے تمہارے پاس یوسفؑ کھلی نشانیاں لے کر آئے پھر تم ان چیزوں کے بارے میں بخود لے کر آئے تھے شک میں پڑے رہے۔ یوں تک کہ ان کی وفات ہو گئی تم کہتے تھے کہ اللہ ان کے بعد ہرگز کوئی رسول مبعوث نہ فرمائے گا“ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا زمانہ مومنین علیہ السلام سے کافی پہلے کا ہے یعنی تقریباً ”انیس صدی قبل مسیح“۔

۲۔ صبر و ثبات، علم و امانت: بائبل کے مطابق یوسف علیہ السلام کی والدہ کا نام راحل بنت لابان (یا راحیل بنت لابان) تھا اور ان کے دو سرے بیٹے یوسفؑ کے بھائی بن یحییٰ (یا بن یاسین) تھے دو سری بیویوں سے مزید دس بیٹے تھے۔ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بن یحییٰ یعقوب علیہ السلام کے بہت چہیتے تھے بالخصوص یوسفؑ سے تو ان کو والدہ محبت تھی اور ان کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھتے اور نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ اس کا ظاہر سب تو ان کا اعلیٰ و مثالی سیرت و کردار و اخلاقی اور فطری ذہانت و فراست تھا لیکن دو سرا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو دینی کے ذریعہ اشارہ مل گیا ہو کہ یہ بھی آئندہ چل کر منصب نبوت پر فائز ہونے والے ہیں۔ اس ترجمینی سلوک نے سوتیلے بھائیوں کے دل میں حسد و نفرت کے جذبات ابھارے۔ اسی دوران یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا اور اس کو اپنے والد صاحب سے بیان کیا کہ: ”میں نے خواب میں دیکھا کہ گیارہ ستارے اور شمس و قمر مجھے سجدہ کر رہے ہیں“ (یوسف: ۴) والد صاحب فرست نبوت سے حقیقت حال کا اندازہ کیا اور بیٹے کو نصیحت فرمائی:

”اے میرے بیٹے! تم اس خواب کو اپنے بھائیوں کو نہ سنانا، لیکن وہ تمہارے ساتھ کچھ چال چلیں اور شیطان تو انسان کا دشمن و دشمن“ اس سلسلہ میں آپ نے انہیں یہ خوش خبری بھی سنائی:

(۲) وَكَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مَا تَشَاءُ مِنَ الْكِتَابِ..... عَلِيمٌ حَكِيمٌ (یوسف: ۶)

ترجمہ: ”اور اس طرح تمہارا رب تمہیں برگزیدہ کرے گا اور تاویل احادیث سکھائے گا اور اپنی نعمت کو تم پر اور آل یعقوب پر پورا کرے گا جس طرح اس کو چاہے تمہارے امید اور پورا کیا (یعنی) ابراہیمؑ و اٹھنیؑ پر چنگ تمہارا رب علیم و حکیم ہے۔“

اس خواب نے والد کی شفقت میں اضافہ کیا تو سوتیلے بھائیوں کی آتش حسد و عناد مزید بجھ کر۔ یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کو ختم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ ایک دن تفریح کے زمانے باپ سے اجازت لے کر یوسفؑ کو باہر لے گئے اور ایک اندھ کنوئیں میں پھینک دیا وہاں ہی میں ان کی قمیض کو کسی جانور کے خون سے آلودہ کر کے باپ کے سامنے لائے اور روتے ہوئے کہا کہ ”جب ہم دوڑتے ہوئے آگے نکل گئے تو انہیں بھڑکا کھڑا کیا۔“ (یوسف: ۱۸) یعقوب علیہ السلام نے پیر بن دیکھ کر صحیح صورت حال کا اندازہ کر لیا، اس میں خون تو لگا تھا لیکن کنوئیں سے پھٹا دھڑانہ تھا۔ نئی تو خود ہی صبر و ثبات اور علم و امانت کا پیکر ہوتا ہے اس شدید غم و غصہ کے عالم میں صرف ایسا ہی کہا:

(۳) قَالَ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اٰتِ الْكُتٰبَ لِيْ اَتْلُوْهُ سَمِعْتُ بِكَ اٰثِمًا مِّنْ قَبْلِ هٰذَا..... (یوسف: ۱۸)

ترجمہ: ”(یعقوبؑ نے کہا) بلکہ ہادی ہے تمہارے قصوں نے تمہارے لیے ایک بات اب صبر جمیل ہی بہتر ہے اور تم جو بات بتا رہے ہو اس پر میں اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔“

الغرض بھائیوں کی دغا بازی و کمزور قریب کے سبب یوسف علیہ السلام کو اواکل عمر سے ہی شدید تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا والدین کے

آخر میں شفقت سے عہد ہو کر اندھے کو نہیں کے کرب و آلام میں جھکا رہے پھر کسی قافلے نے انھیں نکالا اور مصر کے ایک مستحق شخص سے
 غلام بنا کر بیچ دیا۔ ایک مصری افسر عزیز مصر ان کو خرید لیتا ہے۔ اپنی پابندی، اعلیٰ اخلاق و کردار، سلیقہ، مددنی، وجاہت و وقار کے سبب
 آپ اس افسر کی آنکھ کاٹا رہا اور دل کے مالک بن جاتے ہیں۔ وہ ایک بدوی کو تجارت سے دیکھنے کی بجائے امر اور اصرام اور محبت و محرم
 جذبات سے اپنے کو کافر بنا لیتا ہے اور یہی ہے کہ ہے:

(۱) ... اکر می مشوا عسی ان یفعلوا ونفخذ ولما ... الخ ... (یوسف ۲۱)

ترجمہ: "لا دیکھنا" اس کو عزت سے رکھنا ممکن ہے یہ ہمارے لیے نفع بخش ہو یا ہم اسے بیٹھا لیں۔"

اس طرح ادا کل عمری کے مصائب و شدائد سے نکل کر بظاہر اعزاز و اکرام اور پیش و پشت کے ماحول میں چھپے لیکن یہ نئی اور بدی
 آزمائش کی ابتداء ثابت ہوا۔ شفیق و کریم میزبان کی بیوی بد فطرت اور ہوائے نفس کی غلام تھی اس کی خواہش انہیں اور ناپاک خواہش کی
 تمیل سے انکار پر قید خانہ میں جھجھکاوے جاتے ہیں شفیق باپ اور عزیز بھائی کی بدائی کا احساس توقید و بند کی صعوبات میں اور انہیں شدید ہوگا
 لیکن صابر باپ کے سایہ چھنے تمام مصائب و آلام کو خدا کی پیشانی پر رکھتے ہیں اور رب کی مرضی و مشیت پر پوری طرح صابر و شاکر
 رہتے ہیں۔ نہ تو ظالم و سفاک بھائیوں کے خلاف انتقامی جذبہ ابھرتا ہے اور نہ ہی حرف شکایت زبان پر آتا ہے۔ اور صبر باپ صبر جمیل کی
 روش اختیار کرتے ہیں تو اوپر بیٹا اپنے معاملہ کو رب کریم کے حوالہ کر کے اس کی بددعا کا منتظر ہو جاتا ہے۔

س۔ باکروار نو جوان کی مثالی تربیت: یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اور مضبوط کردار بھی بلاشبہ قابل رشک ہے۔ اس بے دینی کے
 آواز و ماحول میں پرانے پرستے والی جنسی مخالفت کے لیے یوسف علیہ السلام کی شخصیت جو بے پناہ حسن و جمال اور مردانہ وجاہت کی حامل
 ہے کس قدر پرکشش ہوگی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ ساتھ ہی عزیز مصر کے گھر میں آپ کی پدیرائی اور امتداد و رشتہ کے رشتہ ماحول اور
 بے راہ روی کے لیے سازگار حالات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا کہ اس قدر مست ممکن اور صبر آزما تھے وہ فحاشات جب دل کشی اور بد شہنائی کا
 تمام سامان جمع کر کے شیطان نے بھرپور وار کیا اس عورت نے درود ادا کر کے آپ کو بدکاری کی دعوت دی لیکن آپ نے عزم و استقامت کی
 چٹان بن کر اس دعوت کو رد فرمایا اور خود کو بتا دی کہ اس روایت کا مصداق ثابت کرواؤ۔

"سبعت بخلہم اللہ فی تلذذہم لا ینزل الا غلہ ... ووجل شعنتہ سراء ذوات حسب وحنال فقال الی اخاف اللہ۔"

ترجمہ: "سات آدمیوں کو اللہ اس روز اپنے سات میں رکھے گا جس دن کوئی سایہ نہ ہو گا سوائے اس کے سات کے۔۔۔۔۔ ان

ساتھ میں وہ شخص بھی ہو گا جسے حسب و جمال والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔"

غور فرمائیے کہ یوسف "الی اخاف اللہ" کے جس جوہری اختیار سے آراستہ تھے "اس شیطانی ماحول کی پروردہ و عورت اس سے بیکسر بخیر
 تھی! یہ واقعہ تزکیہ نفس و تقویٰ کا فوق رکھنے والے باکردار ہواشوں کے لیے اعلیٰ اور مثالی نمونہ ہے، لیکن جیسی بے راہ روی کے شائقین
 نے اسے ردیائی واقعہ تو ہی رنگ و بے دیا اور "قصہ یوسف و زلیخا" کے نام پر بھوٹے اور من گھڑت واقعات سے لبریز بازار میں کتابیں شائع کر
 کے لوگوں کی آوارگی و گمراہی کے لیے گھنہ امواہ فراہم کر دی ہیں جنہیں توہین کی ہے انہوں نے نہ صرف اللہ کے رسول کی اور کتاب اللہ کی آیات
 و آیات قرآن الہی سے کیسے بے خوف ہیں۔ حتم بالائے حتم ملاحظہ ہو "یہاں تک مشہور کہو یا گیا کہ یوسف علیہ السلام نے اس عورت کو معجزانہ
 سے دیکھا وہ انہوں نے اس سے شادی کی کہ اس قدر بے بنیاد من گھڑت بات ہے جو قرآن و حدیث میں ہے اور وہ اسراہیلی روایات
 میں۔ ایک غبی کے یہ نمایاں نشان نہیں کہ وہ ایک بد کردار عورت سے نکاح کرے۔ قرآن نے یہ قاعدہ کلیہ اس طرح بیان فرمایا ہے:

(۲) الغیبت للغیبتین والغیبت للغیبتین والطیبت للطیبت۔ (البقرہ ۲۱)

ترجمہ: غیبت غیبت میں غیبت اور غیبت میں غیبت اور طہیث میں طہیث۔ یا کہ نہ غیبتیں یا کہ نہ طہیثیں۔ مردوں کے لیے

ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے۔"

انبیاء علیہم السلام سے ایسے واقعات منسوب کرتا ذوالقدر حائل کتاب قوموں کے احبار و رہبان کا ولیعہد رہا ہے جو آخرت سے بے خوف ہو کر کتاب اللہ کا مذاق اڑانے اور انبیاء کی توہین کرنے میں بے حد جری اور بے باک ہو جاتے ہیں "العیاذ باللہ" اللہ تعالیٰ نے عام مومنوں کے تزکیہ نفس کے لیے "فصل بصر" اور "حفظ قریح" کے سخت قوانین نافذ فرمائے ہیں چنانچہ سورۃ النور میں فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ بَغْيٌ مِّنْ اَبْصَارِهِمْ وَحِفْظٌ لِّاَوْرَاجِهِمْ﴾ (النور: ۳۰)

ترجمہ: "مومنوں سے کچھ کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی ہے۔"

اسی طرح کا حکم مومن خواتین کے لیے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں تزکیہ نفس کرنے والے ہی فلاح یاب ہیں چنانچہ فرمایا "فَلَا فَلَاحَ لِّمَن تَزَكَّى" (فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کیا۔ سورۃ اعلیٰ) اور قد اللہ من ذکھا سورۃ الشمس)۔ اور انجام کارگی کامیابی و کامرانی تو ان ہی کے لیے ہے جو رب کی عہدالت میں کھڑے ہونے سے خوفزدہ ہو کر اپنے آپ کو خواہشات نفسانی کی سرکشی سے بچائے رکھیں چنانچہ فرمایا:

﴿وَمِمَّنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِمْ لَنُفِیْھِ الْوَسْوَۃَ الْاَلْوٰی﴾ (الزمر: ۳۰-۳۱)

ترجمہ: "اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا، تو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگی۔"

اس کے برعکس جو نفس کی غلامی اختیار کریں اور اسی کے تقاضے پورے کرنے میں لگے رہیں تو ایسے ہی لوگ خائب و خاسر ہیں۔

﴿اَوْعِبْتَ مِّنْ اَتَّخَذَ الْیٰھُودُ اٰھَآءَ﴾ (فرقان: ۲۳)

ترجمہ: کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو ہی الہ بنا لیا۔

یوسف علیہ السلام تو نبوت کی اہم ذمہ داری کے لیے منتخب کئے گئے تھے ان کے اندر تو وہ تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے جو صالح ترین افراد میں متوقع ہوں۔ کسی کا ان کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ وہ ایسے کردار کی حامل عورت کے لیے جس کا مختصر مگر جامع خاکہ قرآن نے پیش کر دیا ہے "اپنے دل میں سوائے نفرت و بیزاری کے کوئی مقام رکھتے تھے" سفیان احمد از فکر کی انتہا ہوگی۔ البتہ عظیم و حکیم رب نے ان کو جن شدید ترین آزمائشوں سے دوچار کیا۔ یہ ان کی تربیت کے مختلف مراحل تھے تاکہ ان کے مبروضہ کی خفیہ صلاحیتیں پوری طرح بیدار ہو کر شعوری طور پر بروئے کار آئیں 'بڑی سے بڑی اذیت و مصیبت اپنے رب پر ان کے یقین و توکل کو پختہ سے پختہ نہ کرتی چلی جائے اور کبھی بھی یاسیت اور خوف و ہراس کا شکار بھی نہ آئے پابستہ۔ آئے والی شدید سے شدید تر آزمائش ان کے ایمان و یقین کی شان کو دوبالا کرے۔ اور بالاخر ان آزمائشی مراحل سے گزرنے کے بعد ان کی شخصیت میں اعلیٰ ترین اوصاف اور بلند پایہ عزم و اعتماد کا حامل وہ مثالی کردار ابھر کر آئے جو ان کو دیکھنے والوں کی آئینہ دار بنادے اور وہ بغیر کسی پس و پیش کے ان کو اعلیٰ ترین منصب کے لئے قبول کر لیں۔

اب یہ بھی امر واقعہ ہے کہ ربانی منصوبہ اور فیصلہ ہمارے سامنے حالات و واقعات کے روپ میں ہی آتا ہے۔ حیات یوسف کے واقعات ہم غور کرنے سے منصوبہ رب کی کار قربانی کا ایک تسلسل عیاں ہوتا ہے۔ برادران یوسف اپنے مفاد اور تقاضہ نفس کے تحت بھائی کو راستہ سے ہٹانے کے لئے اندھے کونہیں میں ڈال کر اپنا مشن پورا کر لیتے ہیں۔ لیکن منصوبہ الہی کچھ اور ہے۔ قافلہ والے انہیں وہاں سے نکال کر غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیتے ہیں۔ عرب مصر کے ہاں ایسی پیرائی ہوتی ہے کہ یکایک غلامی سے آقا کی کا درجہ مل جاتا ہے۔ لیکن زندگی کا یہ موڑ ایک بڑی آزمائش کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ جیسی بے راہ روی کے لئے سازگار ماحول تو عابد و زاہد کو بھی رب سے دور اور شیطان سے قریب کر دیتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جس کو اپنے "مہربان" کا شعور عطا فرمادے وہ یکسر مومن و مجاہد احسان کی روش پر پوری طرح جما ہوا اور اپنے نفس پر کڑی نظر رکھتا ہو اس نفس پر جو "امارۃ بالسوء" (یعنی برائی کی طرف اکسانے والا ہے) وہ ایسی آزمائش و

انقلاب میں اپنے رب سے اور بھی قریب ہو جاتا ہے اور شیطان کا وار ایسے "مفلحین" کا ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ ان کے کردار میں مزید نکھار پیدا ہو جاتا ہے یہ آئینہ ان کے تزکیہ اور طہارتِ نفس کو عروج و کمال پہنچانے کے لئے جو مہیا ہے ایسا کہ قرآن میں فرمایا:

كُنَّا لَكَ صِدْقًا وَرَأَيْتَ عَذَابَ الْعَذَابِينَ ۚ لَئِنْ عُدْتُمْ عَادْنَا لَأَخَذَنَّ ۚ (سورہ صافات: ۲۳)

ترجمہ: "ایسا (اس لیے) ہوا تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حالی کو دور کر دیں۔ بے شک وہ ہمارے بے ہوش ہونے سے بے خبر ہیں۔" واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ان کے تزکیہ نفس اور تربیت کا ایک ہم مقصد تھا جس کے حصول کے لیے جو سب سے زیادہ ضروری تھا ایسا کہ مصر کے اس معاشرے میں جو اخلاقی انحطاط کا یہی طرح شکار تھا لوگ بد کردار بن چکے تھے اور سب سے بڑا عرق تھے اور پھر بھی اپنے آپ کو معذب و مستعد سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ یہی دیکھ کر ہوتے کہ ہاں وہ احساسِ زیادت محسوس نہ تھا۔ معاشرے میں جو سب سے زیادہ اسلام سے انقلابی اصلاحی کام لینے کے لیے ابھی ایک مرحلہ باقی رہ گیا تھا اس مشن کی تکمیل کے لیے یہ لازم تھا کہ پہچانا ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ اس کا اہلِ طاہر کرنے کے لیے ضروری تھا کہ انہوں کی نظر میں ان کی شخصیت قطعاً بے ہوش و غارت کر دی جائے تاکہ شیطانی منصوبے کے تحت غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈے اور ہم جنس کی مغالطہ آرائی کا پردہ چاک کر کے آپ کے سدا بہہ پیشے کی طرح شفاف کر دکھایا جائے۔ ایک انحطاط پذیر معاشرے کے حمارے کا رخ موڑنے والے کو معاشرے کی پستیوں سے بلند و بالا بنانا ہونا چاہیے۔ چنانچہ طبیعتِ انہی نے حالات کا رخ اس حکیمانہ انداز سے موڑا کہ عقلِ انسانی ایک رہ جاتی ہے۔ اس نام نهاد صندب و مستعد معاشرے میں جو جنسی آزادی اور بے راہ روی کی فحاشی سے بری طرح کورہ تھا انہیں ایک قریبی فحاشیت و پاکہوار انسان کو چھانسنے کے لیے ہر طرف مابصر رت و پرکشش جاں پہلے ہوئے تھے اور غیظِ نفس کی بندش میں معمولی و ذلیل اور ذرا سی لغزشِ شیطان بھی ان کو کامیابی سے ہتکناد کر سکتی تھی لیکن حکیم و خیرِ رب نے شیطان کی چال اسی پر الٹ دی۔ عزیزِ مصر کی عورت جو اب تک الفت و محبت سے سہرا شاد ہو کر یوسفؑ پر عنایات و نوازشات کی بارش کر رہی تھی اپنی ہوس رانی کی شیطانی کوشش میں ناکامی و پستی کے بعد یکایک تیور بدل لیتی ہے اور غیظ و غضب کے عالم میں یوسفؑ علیہ السلام پر خیانت و بد کرداری کا الزام قیوب دیتی ہے۔ اللہ اور یومِ آخرت سے بے خوف انسان کا شیطانی روپ کس قدر حیرت انگیز اور غیر متوقع ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ بھی جلد ہی انتقام لے لیتا ہے۔ عزیزِ مصر کی موبہ دگی میں اسی خانہ ان کا ایک قمر، ابھی شہادت کی شہادت پر فیصلہ دے کر اس عورت کی عیاری کا پردہ فاش کر دیتا ہے قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

○ فَلَمَّا دَاخِلُهَا فَسَفَرْتِ... لَكَ الْعَيْنُ كَذِبَتْ ۖ إِنَّ كَذِبُكَ عَظِيمٌ ○ (یوسف: ۲۸)

ترجمہ: "پھر جب اس کا گھر پہنچے سے پہنچا ہوا دیکھا تو اس نے کہا یہ تم عورتوں کی چال ہے اور بلاشبہ تمہاری چالیں قریب دست ہوتی ہیں۔"

عزیزِ مصر نے رسوائی کے خوف سے بات شرم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن بات جیسی کہی رہتی ہے۔ ایسے معاشرے میں تو ایسے معاملے کو خوب اچھالا جاتا ہے کیونکہ یہ لذتِ نفس اور عوامی دلچسپی کا باعث ہوتا ہے۔ اعلیٰ طبقہ کی عورتوں میں اس کا چرچا ہوا اور عزیزِ مصر کی عورت کو بے حیائی اور باطنی معیار کے طعنے ملنے لگے کہ اپنے طعام سے ہی میلان طبع رکھتی ہے۔ اس عورت نے جب یہ سنا تو اپنے وقار کا اجتماع کیا۔ شیطانی فحاشیت کا حامل اپنا وقار بھی شیطانی انداز سے ہی کرتا ہے۔ جو سب سے بڑا پرہیزگاری کی فحاشیت میں ان خواتین کو بد عزت کیا اور عینِ سماج کے عالم میں یوسفؑ کو باہر نکالا گیا عورتیں یوسفؑ علیہ السلام کو دیکھ کر دنگ ہو گئیں اور حیرت و استعجاب کی شدت میں انہوں نے اشیائے طعام کاٹنے کی بجائے چھریوں سے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ قرآن نے اس کی خاطر کشی کی ہے:

○ وقطعن ايديهن قلن حاش الله بلهنا بسرا ان هذا الاسلک کریم ○..... (یوسف: ۳۲)

ترجمہ: ”پھر جب عورتوں نے اس کو دیکھا تو دنگ رہ گئیں اور انہوں نے اپنے ہاتھ کٹ لیے اور کہا حاشا للہ! یہ آدمی عیسٰی ہے تو کوئی بزرگ قرشت ہے۔“

عزیز مصر کی بیوی اپنی کامیابی پر بے حد مسرور ہوئی اور ان عورتوں کو طنز و استہزاء کا نشانہ بناتے ہوئے تحقیر کے ساتھ اس عزم کا اظہار کیا کہ اگر اس نے میرا گناہ مانا تو اس کو قید خانہ جانا پڑے گا اور وہ سوائی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ حیات یوسف کا اب تیار ہوا سانس تھا۔ نفس پرستوں کے اس شخص شیطانی ماحول میں ایک پاکیزہ سیرت و رخن کے بندے کی امتیازی شان بھی بھید قابل رشک نمود ہے۔ میسر و عزم کے ساتھ ان مراحل سے گزرتے ہوئے اپنی ثابت قدمی و پاکیزگی پر کسی قسم کے تکبر اور خود مستائی کا ذرا سا بھی شائبہ ہونا تو دور کی بات ہے یہاں تو مجز و انکساری کا یہ عالم ہے کہ اپنی بشری کمزوریوں کا احساس کر کے ہی کانپ اٹھتے ہیں اور پورے افلاس و اعتماد کے ساتھ اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہوئے التجا کرتے ہیں۔

○ قال رب السجن احب الي من هذا المعين هو السبع العليم ○..... (یوسف: ۳۳-۳۴)

ترجمہ: ”(یوسف نے) کہا اے میرے رب قید خانہ مجھ کو اس چیز سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ مجھے بلا رہی ہیں۔ اور اگر تو نے ان کے قریب کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جیلوں میں سے ہو جاؤں گا۔ پس اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی اور ان کے قریب کو اس سے دفع کر دیا بے شک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

ذرا غور فرمائیے، کیسا عجیب تضاد ہے یہ! ایک طرف یوم حساب اور رب کے عذاب سے ڈرنے والا ٹیک سیرت مرد مجاہد ہے جو ہر قسم کے اعلیٰ مناصب نیش و طرب کی بے پناہ ترغیبات اور خواہش نفس کی تسکین کے تمام سامان کو صرف اور صرف اپنے رب کی نافرمانی سے بچنے کی خاطر ٹھکراتا ہے اور اس کے مقابلہ میں ”رب السجن احب الی“۔ ”کہہ کر صعوبت زنداں برداشت کرنے کو رضا و رغبت آمادہ ہو جاتا ہے“ یہ بلاشبہ تسلیم و رضا اور عزیمت و استقامت کا ایک مثالی نمونہ ہے دوسری طرف ”مہذب و مستعدن“ معاشرے کا بااثر فرد اور اقتدار و وقت کا بڑا افسر عزیز مصر اپنے آپ کو اور اپنی بدکردار قہر پیوی کو بدنامی و رسوائی سے بچانے کی خاطر ایک معصوم اور بے خطا اعلیٰ ظرف اور اعلیٰ اخلاق کے حامل پاک خلعت و پاکیزہ سیرت ہو شمار نو جوان کو خطا کار مجرموں کے ساتھ قید میں ڈال دینے میں نہ صرف اپنے اور خاندان کے لیے بلکہ معاشرے کی اعلیٰ طبقہ کی عورتوں کے لیے بھی غایت سمجھتا ہے!۔ آخرت سے بے خوفی نے نفس پرست انسان کو عدل و انصاف اور اخلاقی قدروں اور حیا و غیرت سے کیسا بے نیاز کر دیا ہے!

میں حکیم و دانایں سلطہ الغرض یہ یوسف علیہ السلام جیسے اولوالعزم اور مجاہد صفت انسان ہی کی شان عزیمت ہے کہ اپنے حقیقی کار ساز رب پر توکل کے سارے معاشرے کی پستیوں سے اوپر اٹھ کر، میسر و عزم اور قلب مطمئن کے ساتھ آزمائش کے اس نئے مرحلہ میں قدم ڈالتے ہیں، اور پورے شعور و حوصلہ کے ساتھ اپنے رب کی مشیت سے ہم آہنگ ہو کر زنداں کی تنہاں اور صعوبتیں خوش دلی کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔ انسانی محبت، ہمدردی اور درمندی جو آپ کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، یہاں کے سازگار ماحول میں اور زیادہ نمایاں ہو گئی یہاں معاشرے کے مظلوم اور پس ماندہ طبقہ سے سابقہ پڑا تو آپ کے خلوص، شفقت، حسن سلوک اور اجتماعی صلاحیتوں نے آپ کو قیدیوں کی آنکھ کا مارا بنادیا اور اعلیٰ مومنات اوصاف، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت سے لوگوں کے دلوں میں عزت و احترام کا امتیازی مقام پیدا ہوا اور تورات میں تو یہاں تک آیا ہے کہ ”دارندہ زنداں بھی آپ سے متاثر ہو گیا“ آپ کے حقیقت مند ہو گئے تھے چنانچہ خواب کی تعبیر معلوم کرتے ہوئے قیدی ساتھیوں نے آپ کی عظمت اور نیک نفسی کا جو اعتراف کیا اس کو قرآن بیان کرتا ہے:

”سہ“ گپ ہمیں اس کی تاویلی بتائیں ہم آپ کو (دست حق) ایک پاتے ہیں۔“

یہ عقیدت و احترام کا ماحول و محبت و تبلیغ کے لیے یقیناً ”دست حق“ سازگار تھا وہاں تو ہر شخص اس بات کا منتظر ہو گا کہ آپ لب لسانی فرمائیں اور لوگ بعد تن گوش ہو کر سب کی بات سنیں پھر آپ تو جی کے بیٹے اور خود جی بننے والے تھے، محبت حق کا ذوق تو آپ کے ریشہ ریشہ میں بیجست تھا اور یہ مشن آپ کی زندگی کا نصب العین تھا، پھر آپ دعوت کا کوئی بھی مناسب موقعہ کیسے ہاتھ سے جانے دیتے۔ قرآن میں یوسف علیہ السلام کی جامع اور بھرپور زبانی تبلیغ صرف ایک ہی موقعہ پر مذکور ہے، تاہم ممکن ہے کہ وقتاً فوقتاً مناسب مواقع پر جزوی و محدود نصیحت فرماتے رہے ہوں یا بھرپور دعوت کے لیے مناسب موقعہ کی تلاش میں قید خانے کے چند سال گزار دیے ہوں۔ سہرحال یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ گنج اور سچے مومنین کی جو بلاشبہ داعی حق ہوتا ہے، صرف زبان ہی دعوت دین نہیں دیتی بلکہ اس کا تو ایک ایک عمل تبلیغ و دعوت حق میں اپنا کمر باندھ کر رہتا ہے، خواہ وہ زندان میں ہو یا اور نہیں۔ بدنگی و تقویٰ کے رنگ میں دھنکے ہوئے مومنین کے شب و روز تو پوری طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق ہی گزرتے ہیں اور یہ خاموش و دعوت کا موثر انداز ہے کیونکہ احکامات الہی پر عمل کرنا اور کرانا ہی مقصود و مطلوب ہوتا ہے۔ لہذا کوئی شخص اگر زبان نہ کھولے لیکن عملی طور پر دعوت دین کو پوری طرح لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے تو گویا اس نے اپنا کام کر دیا اور تبلیغ کا کسی قدر حق بہر حال ادا کر دیا۔ اس لحاظ سے یوسف علیہ السلام تو جوش سنبھالتے ہی عملی تبلیغ میں مصروف ہو گئے تھے آپ کی راست بازی، امانت و دیانت، حسن اخلاق، تقویٰ و پرہیزگاری نے لوگوں میں خاص اثر کیا تھا اور اصحاب الایمن اور داروفا جہن کا احترام اور مودت سلوک اس کا یقین ثبوت ہے۔ یوسف علیہ السلام غیر معمولی عقل و دانش اور فراست سے نوازا گئے تھے وہ خوب سمجھتے تھے کہ قبولیت کی استعداد پیدا کیے بغیر تبلیغ کرنا گویا مل جلانے اور زمین ہموار کے بغیر بیج بھینکانا ہے جنہیں چڑیاں چبک جائیں گی۔ درج بالا طور سے یہ امر واضح ہے کہ زندان کے چند سالوں میں وہ اتنے ہرے عمر و ہوشیار بن گئے ہیں کہ نہ صرف قیدیوں بلکہ اہلکاروں کے قلوب بھی آپ کی دعوت کے لیے گوشہ زد ہو گئے اور آپ کی لب لسانی کے منتظر رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے موزوں ترین حالات میں موقع حمایت فرمایا تو آپ نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ زندان میں آپ کے ساتھ دو اور نوجوان قید ہو کر آئے تھے: ”وَنُخَلِّعُ مَعَ السَّجْنِ لُحْيٰی“ (یوسف ۳۶)۔ ان میں سے ایک فرعون مصر کا ساتھی تھا اور دوسرا داروفا سلیمان۔ انہوں نے قید خانے میں خواب دیکھا اور اپنے تئیں اہل کو یوسف علیہ السلام کی خدمت میں تعمیر حاصل کرنے کے لیے پیش کیا۔ یوسف علیہ السلام نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو موثر انداز میں دعوت دینی لیکن ایہ ائمہ شافقت سے گمراہ:

”یہاں جنہیں ہم گمراہا کرتے ہیں اس کے آگے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا یہ بھی اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ دراصل میں نے ان لوگوں کے مذہب کو چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ اور میں نے اپنے بزرگوں، ابراہیم، اسماعیل اور یعقوب کے مذہب کی پیروی اختیار کی ہے، ہمارا یہ کام نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ (اور حقیقت) یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور تمام انسانوں پر کہ اس نے اپنے سوا کسی اور کی بندگی کا یہ جو تمہیں ڈھاکا دیا، ٹھہرا کر ٹھہرا نہیں کرتے۔“ (یوسف ۳۸)

اس موثر و دلنشین تمیز کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول و مرکوز کر کے وہ عظیم الشان قلوب دیا ہے جو ہر شیخ و دعوت قرآن فی روح اور تمام اعیانہ عظیم السلام کی دعوت کا مرکز و محور رہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

كَمْ مَّا نُنْزِلُ الْكَلِمَاتِ مِنْ مَّسْطَرٍ ۚ اِنَّ الْحَكَمَ اِلَيْهِ ۚ اِمَّا لَا تَتَّبِعُوا اِلَا اِهْلًا ۚ فَالْحَكَمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْغَنِيِّ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (یوسف: ۲۹-۳۰)

اے خداؤں کے ساتھ (زرا سوچو تو قسمی) بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا اللہ اکیلا جو سب پر غالب ہے؟ تم اس کے سوا ان جن کو چن رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ محض چند نام جو تم نے اور تمہارے آباء اجداد نے رکھ لیے ہیں اللہ نے تمہارے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ قرآنروائی و اقتدار صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس کے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی دینِ قیم (صحیح اور میدہادین) ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس صورتحال پر کچھ تجرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جس ذہانت و فراست سے یوسف علیہ السلام نے اس موقع سے دعوتی کام کے لیے فائدہ اٹھایا وہ لائقِ تحسین بھی ہے اور قابلِ غور بھی۔ اصحابِ المؤمنین کے عقیدہ مندانہ ماحول میں دو نوجوان قیدی تعبیرِ خواب کے لیے بوندے اوپر و اعتراف کے جذبہ کے ساتھ آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اب اگر ان کو فوراً ہی خواب کی تعبیر بتادی جاتی تو بات سننے کا شوق، ذہنی تجسس اور دلچسپی کی وہ کیفیت باقی نہ رہتی اور پھر تقریر پر اتنی توجہ نہ دی جاتی۔ اس اہم نفسیاتی پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے تعبیرِ خواب کی بات کو کچھ موخر کرنا ضروری سمجھا گیا لیکن اس کے بعد اگر ابتدائی کلمات کے بغیر "یٰصاحبِ السجن۔۔۔" کے ساتھ ہی دعوت و تبلیغ کا ایک شروع کر دی جاتی تو لوگ جلد ہی اکتا جاتے کہ اصل موضوع سے ہٹ کر یہ کیا بات شروع کر دی گئی! لہذا نہایت ہی حکیمانہ انداز میں درمیان کی راہ اختیار کی گئی۔ پہلے لوگوں کو یہ واضح کیا گیا کہ تعبیرِ خواب کا علم میرے رب کی عنایت و توفیق سے عطا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کے احسانات اس انداز سے ذکر فرمائے کہ توحید باری تعالیٰ پر بات کرنے کی راہ نکالی پھر خوبصورت استدلال کے ساتھ دین کے اہم مسئلہ کو اجاگر کرنے سے پہلے سوچی ہوئی قوم کی دکھتی رنگوں پر منتشر ذہن کر کے ماحول کو بھینچو ڈالو دیگر انبیاء کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے ان کو بتایا کہ میں کوئی نئی انمولی بات نہیں کر رہا اور نہ ہی نیا اور نرا لا دین پیش کر رہا ہوں بلکہ کائنات کی اس انزلی و ابدی حقیقت کی طرف بلا رہا ہوں جس کی طرف اس سے پہلے تمام انبیاء "ابراہیم، عیسیٰ و یعقوب" حکیم السلام بلا رہے ہیں۔ قرآن نے اس کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے تاکہ اس مشن کو لے کر اٹھنے والے اس سے دعوت و تبلیغ کی حکمت و موعظت کا اندازہ لگائیں جو شخص اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کو اس مشن کے لیے وقف کرنے کا عزم کر چکا ہو اور اس کے ساتھ ہی ذہانت و فراست اور حکمت تبلیغ سے بھی نوازا گیا ہو وہ موقع کی تلاش میں دیتا ہے اور مناسب موقع ملنے پر اللہ کی تائید و توفیق سے عنایت خوبصورتی و شائستگی کے ساتھ گفتگو کا رخ دعوت حق کی طرف پھیر لیتا ہے۔ اس کے برعکس جس کی نظر میں اس کام کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو اس کے سامنے تو مواقع پر مواقع آتے ہیں لیکن وہ کبھی محسوس ہی نہیں کرتا کہ اب بات کرنے کا موقع ہے لبِ نشانی کی جائے۔ البتہ بہت بڑا فرق ہے ایک فکری و حکیم کی موقع شناسی اور بر محل و عوت میں اور اس نادان مبلغ کی بے فکری تبلیغ میں جو موقع و محل کا لحاظ کئے بغیر ہی لوگوں کے کانوں میں ڈیرہ سختی اپنی دعوت ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے بھونڈے اور تند و تیز جذباتی انداز کی وجہ سے لوگوں کو حق کی طرف مائل و راغب کرنے کی بجائے متفرق و بے ارگ کرتا ہے۔

یہ سارے رجحانات و رجحانات میں عرض کیا گیا یہ تقریر دعوت قرآن کی گویا روح ہے اور بلاشبہ توحید پر استغاثی جامع و مہم تر خطبہ ہے جو استغاثی مادہ گریہ کا رہے اور حکمت و دانش سے بھر پور۔ اسی پر غور کرتے سے ایک اہم پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ لوگوں کے سامنے دعوت کس انداز سے پیش کی جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام قوام و ضوابط کی بحث یا معاشرتی و سیاسی بگاڑ کے اسباب و انتصابات کی تفصیلات میں جانے کی بجائے ان کے سامنے دین کے اس بنیادی اور اہم مسئلہ کو ہی پیش کرتے ہیں جو

انتہاء کی دعوت کا مرکز و محور اور نقطہ اتقاد برپا ہے اور فی الحقیقت ہمیں سے اہل حق کا راست باطل مستویوں کے راست سے جدا ہوتا ہے۔ یعنی توحید باری تعالیٰ اور شرک یا اللہ کا امتیازی فرق پھر توحید و شرک کے اس فرق کی ایسے معقول و عام فہم طریقے سے وضاحت فرماتے ہیں کہ معمولی عقل و دانش والا شخص بھی اسے محسوس کیے بغیر نہ ہو سکے یا محسوس ان کے اس وقت کے محاسنین ہو، اور مست پیشہ تھے یا غلام ان کے تو قلب و ذہن نے اس بات کو با آسانی قبول کر لیا ہو گا ان سے زیادہ اس بات کو کون محسوس کر سکتا تھا کہ ایک آقا کا ظاہر ہو گا جس سے ستم سے ستموں کا اور پھر سارے جہان کے اکٹھے آقا کی بندگی آسان و بہتر ہے یا اس کے بندوں کی بندگی۔ کتنی سادہ اور پرکار تھی یہ دعوت!۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یوسف علیہ السلام نے ان سے یہ تقاضا بھی نہیں کیا کہ تم اپنا دین چھوڑ کر میرا دین اختیار کرلو بلکہ استغاثی و لسانی کے ساتھ مشفقانہ انداز میں ان کو سمجھاتے ہیں کہ دیکھو! یہ اللہ کا ہمارے اوپر کتنا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں اپنے سوا کسی اور کی بندگی کا پابند نہیں بنایا مگر لوگ اللہ کے اس احسان کو نہیں سمجھتے اور اس کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ خواستہ و اس کے بندوں کو اپنے ذہن سے گھڑ گھڑ کے اپنا رب بناتے ہیں اور ان کی بندگی کرتے ہیں!۔ لوگوں کے عقیدے اور آپائی دین پر تنقید کا انداز بھی بے حد معقول و مشائستہ ہے اور ہر قسم کی دل آزاری سے پاک، صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ تمہارے یہ جہود جن کو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے (اللہ کے صفاتی ناموں اور) ان القایات سے ترازو دیا ہے (و اتانموت کفج بخش و مشکل کشا بکری بنائے والا) یہ بے پاز لگانے والا وغیرہ) یہ تو محض خالی فوہی نام ہیں جو تمہارے باپ و اوائے کھڑے ہیں ان کا حقیقت نفس الامر سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کوئی سند جو از فراہم کی ہے۔ اصل مالک اور مقتدر، حاکم و علی اور فرمانبردار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے (جسے تم بھی خالق و رب تسلیم کرتے ہو) اور اس نے (اس کائنات کی تخلیق کے بعد) فرمانروائی اور تدبیر امر کے تمام حقوق و اختیارات اپنے لیے مخصوص کر رکھے ہیں (مسی کو اپنا شریک کار نہیں بنایا) اور اس کا یہ حکم ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ "یعنی صرف اسی کے آگے سر جھکاؤ" جب بھی مانگو صرف اسی سے مانگو "اسی سے امیدیں رکھو" اسی سے خوف رکھاؤ" شکر گزاری (مذرونیان) صرف اسی کی ہو "الغرض اسی کو اپنا سب کچھ جانو اور مانو اور ہر طرح اسی سے لو لگاؤ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے ذریعے جہاں حکمت و دعوت و تبلیغ کا جوہری انداز سکھایا وہاں اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے سامنے یہ حقیقت بھی کھول کر رکھ دی کہ آج ہمیں ہمارے نبی کے ذریعے ہو دعوت دی جا رہی ہے، بالکل یہی دعوت ہمارے برگزیدہ نبی یوسف نے اپنے ساتھیوں کو دی اور وہ بھی اسی دین ابراہیمی کا پیروکار تھا جس کا تبلیغ ہمارا یہ پیغمبر ہے۔

۵۔ ذکی و معاملہ فہم معبرۃ الغرض "رشد و ہدایت کا یہ پیغام دینے کے بعد یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر کی طرف توجہ فرمائی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بحیثیت نبی جو علم و حکمت عطا فرمائی تھی اس میں تامل و تدبیر اور تعبیر و تفسیر کا علم بھی شامل تھا چنانچہ قرآن میں اشارہ فرمایا:

○ و کذلک یجیبک ربک و یعلمک سن تاویل الاحادیث..... (یوسف: ۶)

ترجمہ: "اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں منتخب کرے گا اور تم کو تاویل حدیث کا علم عطا فرمائے گا۔"

اس کے علاوہ سہری آیات میں بھی خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو آیت ۲۱، ۲۲، ۲۳) البتہ علم و

حکمت کے بارے میں فرمایا:

○ و لما بلغ اشدہ حکما و علما و کذلک نجز المعسن ○..... (یوسف: ۲۳)

ترجمہ: "اور جب وہ اپنی پوری جوانی کو بچپن تو ہم نے اس کو حکم و علم عطا فرمایا۔"

"علم" اور "حکم" ہر نئی کوششیت ہی اس کے مرتبہ حالات اور ذمہ داری کے دائرہ کار کے لحاظ سے عطا فرمایا جاتا ہے (مثلاً) اڈو و سلیمان علیہما السلام اور دیگر انبیاء (ع) اور قرآن میں مختلف انبیاء کی بحث کے سلسلے میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر ملتا ہے۔ علم کی طرح حکم بھی وسیع المعنی ہے لیکن "حکم" (حکمہ حکما) حکم دینے یا فیصلہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جبکہ "حکم" (حکمہ حکمت) عقل و دانش، دور اندیشی یا اقتدار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ علم ثبوت اسباب و معاملات کا وہ خاص علم ہے جو انبیاء کو براہ راست مبراہ وحی عطا فرمایا جاتا ہے۔ اسی طرح تاویل الاحادیث کا علم جو بعد از نبوت بھی شامل ہے اور یہ صلاحیت بھی کہ معاملات کے عوامل و عوامل اور نتائج کو دینی طرح ایک دوسرے سے مربوط کر کے صحیح اور فیصلہ کن نتیجہ اخذ کر لینا وقت کے غمی ہی کو عطا کیا جاتا ہے کیونکہ ان کا تعلق کسی حد تک بھی امور سے ہی ہے اس لیے وحی سے رہنمائی کی روشنی میں اللہ کا نبی ہی ان علوم اور صلاحیتوں سے بقدر ضرورت نوازا جاتا ہے کوئی اور نہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے یوسف علیہ السلام اس بات کی وضاحت فرماتے ہیں۔

○ فَاذْكُرْ مَا عَلَّمْنِي رَبِّي..... (یوسف ۳)

یعنی (میں کوئی پیشہ ور کاہن یا مجسم نہیں بلکہ) یہ بات میں تمہیں اس علم کے ذریعہ بتا رہا ہوں جو میرے رب نے مجھے عطا فرمایا ہے میرے علم و آگہی کا منبع و سرچشمہ تو وحی الہی ہی ہے۔

سورۃ یوسف میں چار خوابوں کا ذکر کیا گیا ہے "ان میں پہلا خواب خواب یوسف علیہ السلام کا تھا جس سے قصہ کی ابتداء ہوتی ہے اور دو خواب ان دو قیدیوں کو جو انوں کے "ان میں سے ایک نے دیکھا کہ وہ انگور چھڑ رہا ہے اور دوسرے نے دیکھا کہ وہ سریر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہے اور پرندے اس میں سے کھا رہے ہیں۔ بائبل (پیدائش۔ باب ۳۰) میں کچھ اس کی تفصیل دی گئی ہے۔ ان میں سے ایک قیدی بادشاہ کا ساتھی تھا اور دوسرا خنزیر بادشاہ نے کسی الزام کی بنا پر ناراض ہو کر ان کو قید میں ڈال دیا اور ان کے خلاف تحقیقات کرائی۔ یوسف علیہ السلام نے ان کے خواب کی تعبیر بتائی کہ "تم میں سے ایک (رہا ہو گا) اپنے آقا یعنی بادشاہ کو شراب پلائے گا" اور رہا دوسرا تو اس کو سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کے سر کو (لوچ لوچ کر) کھائیں گے۔ تعبیر کے مطابق ساتھی الزام سے بری ثابت ہونے پر رہا ہو گیا اور اپنے منصب پر بحال ہو کر بادشاہ کا ساتھی بن گیا جبکہ دوسرے پر الزام ثابت ہو گیا اور اس کو سولی پر چڑھا کر پھونڈ دیا گیا تاکہ پرندے اس کا گوشت کھائیں (لوگوں کی عبرت کے لیے)۔ اس طرح یوسف علیہ السلام کی بتائی ہوئی تعبیر حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔

اب چوتھا خواب بادشاہ مصر کا تھا۔ اس نے دیکھا کہ "سات سوئی گائیں ہیں جنھیں سات وئی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بلیں سرسبز ہیں اور سات سوکھی" (یوسف ۴۳)۔ بادشاہ نے اس خواب کی تعبیر اپنے درباری علماء، فقہاء اور چیروں وغیرہ سے دریافت کی تو وہ اس کی تعبیر نہ بتا سکے اور "اعضاث اعلام" (یعنی خواب پریشاں) کہہ کر تعبیر بیان کرنے سے مجبوری و محذوری کا اظہار کیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یوسف علیہ السلام نے دیا ہونے والے قیدی سے (جو بحال ہو کر ساتھی بنا) تعبیر بتانے کے بعد فرمایا تھا "اذْکُرْ نِسْ عِندَکَ" اپنے آقا کے یہاں میرا کرنا لیکن "فَلَمَّا سَأَلُوهُ" (یوسف ۴۲) شیطان نے اس کو اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا۔ یہ سب منصوبہ برپائی اور مشیت الہی کے تحت ہوا۔ یوسف علیہ السلام کا ساتھی کو توجہ دلانا لیکن ساتھی اس بات کو اس خاص موقع تک بھولا رہا (جبکہ تعبیر بتانے والے کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی گئی اور اس کا طلب میں خوب جرحا ہوا ہو گا) اور اس اہم موقع پر اس نے پورے اعتماد و وثوق کے ساتھ یوسف علیہ السلام کی طرف رجوع

کیا۔ یہاں قصہ کا یہ پہلو بھی سبق آموز ہے کہ یوسف علیہ السلام اس مرحلہ پر علم و امانت اور صبر و عزم کے یکسر نظر آتے ہیں۔ تو ساقی سے کوئی کلمہ و شکوہ ہے کہ تم نے اپنے قیدی ساتھی کی پرواہ بھی نہ کی تمہاری بھول کی وجہ سے تو میں اس عرصہ قید میں پڑا رہا اور نہ ہی اقتدار و وقت اور قوم مصر کے خلاف کوئی انتقامی قیادہ ہے کہ انہوں نے اپنی بد عنوانیوں اور بد اعمالیوں پر یہ وہ پالنے کے لیے ایک بے خطا و بے گناہ لہزار قد و دان کو طویل عرصہ تک اسیر زندان بنا کر رکھا۔ وہ تو جس مشیت الہی پر پوری طرح صابر و شاکر ہو کر منصوبہ ربانی کا ساتھ دے رہے ہیں۔ خواب کی تعبیر پر بھی جاتی ہے تو جواب دیتے ہیں:

”تم سات سال بار (خزاوانی سے) کھیتی کرو گے، پھر دو فصل خر کا لو اس کو چھوڑ دو اس کی ہال میں مگر تمہارا سا بھائی و بھیر اس کے بعد سات سال سختی کے آنے میں اس وقت وہ غلہ کھا لیا جائے گا، اس وقت کے لیے تم جمع کرو گے، مگر وہ تھوڑا سا جو تم محفوظ کر لو گے پھر اس کے بعد ایک سال اسے گا جس میں لوگوں پر باران رحمت ہوگی اور وہ اس میں دس گجھ نہیں گے۔“

(یوسف ۷۳ تا ۷۹)

یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر میں (وحی کے اشارے پر) یہ پیش گوئی فرمائی کہ زراعت کی خزاوانی کے حادث سالوں کے بعد خشک سالی اور قحط کے سات سال آنے میں پچھلے سات سالوں کا پس اند و نتہ کھا لیا جائے گا۔ سات سال کے جو جمع کے لیے محفوظ رکھا جائے۔ تعبیر خواب کے ساتھ یہ تدبیر بھی بتا دی کہ قحط سالی سے نمٹنے کے لیے کیا انتظامی تدبیر بروئے کار لائی جائے۔ آپ نے یہ خوشی خیری بھی بتا دی کہ قحط سالی کے سات سالوں کے بعد پھر خزاوانی کا سال آئے گا جس میں خوب بارش ہوگی اور عموماً فصل کے ساتھ دودھ اور پھلوں کی کثرت ہوگی۔ اب یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ درباری علماء، فقہاء اور اعلیٰ پائے کے دانشوروں کا اعتقاد اسلام کی شکل میں گورا لگا سا جواب ملنے کے بعد اس بے چین و مضطرب بادشاہ کو جب یہ جامع اور مربوط و مکمل تعبیر مد انتظامی تدبیر ملی ہوگی تو وہ کیا اس کو سن کر پھڑک نہ اٹھا ہو گا اور ممبر کی عقل و دانش، فہم و فراست اور انتظامی صلاحیتوں کا (جس کے بارے میں اس طویل عرصہ میں بہت کچھ سن چکا ہو گا) پوری طرح قائل اور آپ سے ملاقات کا مشتاق و متبعی نہ ہو گیا ہو گا! قرآن بتاتا ہے۔

○ وقال الملك انتوني به ع۔۔۔ الخ (یوسف ۷۵)

ترجمہ: ”اور بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لے آؤ۔“

بادشاہ نے آپ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا اور اپنے قاصد کو یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا تاکہ وہ زندان سے رہا کر کے ان کو بادشاہ کے پاس لے آئے۔ ایک عام دنیا دار شخص تو اس تصورِ جمال پر خوشی میں پھولانہ سمانا اور آواز کی فضا میں نکل کر شادی و دربار میں رسائی کو احتمالی مبارک موقع سمجھ کر بادشاہ کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کرتا لیکن یوسف علیہ السلام کے لیے تو یہ اس منصوبہ الہی کی تکمیل کا مرحلہ تھا جس کے لیے رب حکیم، علیم وخبیر نے اپنے برگزیدہ نبی کو شدید ترین آزمائشوں سے گزرا تھا۔ چنانچہ جب وہ قاصد یوسف علیہ السلام کے پاس شافی پیام لے کر پہنچا تو آپ نے مشیت الہی کے مطابق بغیر تذبذب و تردد و پورے عزم و اعتماد کے ساتھ زندان سے باہر نکلنے سے انکار کیا اور فرمایا:

○ قال ارجع الي ربك لست له سال، سال النسوة التي قطعن البصير، الخ۔۔۔ (یوسف ۷۵)

ترجمہ: ”کہا تم اپنے آقا کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔“

جیسا کہ درج بالا طور میں عرض کیا گیا یوسف علیہ السلام کو امور مملکت کی ذمہ داری کے علاوہ عظیم ربانی مشن

کو سر انجام دینا تھا اس لیے ضروری تھا کہ عوام الناس میں آپ کی شہرت و مقبولیت اور تعظیم و احترام کے لیے آپ کے معاملہ کو سیرت کردار اور اخلاق کو بے داغ اور آئینہ کی طرح صاف و شفاف ثابت کر دیا جائے جیسا ایک برگزیدہ نبی کے شایان شان ہے اور آپ کی مختص صلاحتوں، ذہانت و قناعت کی نمایاں برتری کا نہ صرف عوام بلکہ اہل دانش اور ارباب اختیار سے بھی لوہا منوا لیا جائے اور اس طرح آپ کو اس معاشرہ کی سطح سے ہر لحاظ سے اعلیٰ و ارفع ثابت کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے حالات کو پوری طرح موافق و سازگار بنایا گیا تھا۔ قید خانہ کی طویل و چارٹھل آرائش کو بھی اسی لیے انگیز کیا گیا تھا کہ شیطان کے ٹکڑے فریب کے منصوبہ کو طشت ازہام کیا جائے۔ چنانچہ شاہی پیا مبر کو یہ کہہ کر واپس کر دیا گیا کہ پہلے ان عورتوں کے معاملہ کی تحقیق کرائی جائے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے تاکہ اس بد کردار معاشرے کی عجمانہ ذہنیت کی حامل عورتوں نے اپنی خرابی نفس کے تقاضے پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی جھوٹی برتری قائم رکھنے کے لیے ایک پاکیزہ سیرت و جوان کے ساتھ جو ٹکڑے فریب کا ڈرامہ رچانے کی مذموم کوشش کی تھی اس کا بھی پردہ چاک کر دیا جائے یہاں تک کہ حق کھل کر ظاہر ہو جائے اور معاملہ کی اصل صورت حال پوری طرح واضح ہو جائے۔ وہ سراپیلو یہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ کے نبی کی عزت نفس اور مختص وقار کا مسئلہ اللہ کے مشن کے ساتھ مربوط ہوتا ہے اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی کو لوگوں کی نظروں میں بے بس و لاچار، اقتدار کے رحم و کرم کا محتاج اور اس کی رہائی کو شاہانہ نظر عنایت پر منحصر قرار دیا جائے۔ چنانچہ حالات کو اس رخ پر موڑا گیا کہ عوام و خواص پر یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کے ساتھ یہ بات بھی پوری طرح منکشف و مسلم ہو جائے کہ ان کی قوم و ملک کی نعمات و فلاح کے لیے یوسف علیہ السلام کی زنداں سے رہائی ناگزیر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوسف علیہ السلام کے علم، ضبط و صبر کو سراہتے ہوئے فرمایا:

لَوْلَبِطْتُ فِي السِّجْنِ مَا بَثَّ يَوْسُفُ ثُمَّ انْقَلَبَ النَّاسُ لِيُحِبُّوا (بخاری و مسلم)

(اگر میں زنداں میں اتنی مدت رہتا جتنا کہ یوسف رہے پھر میرے پاس شائق قاصد بلائے آتا تو میں اس کی دعوت قبول کر لیتا)

الغرض، بادشاہ نے جب یہ سنا تو ان عورتوں کو ہلوا کر وضاحت طلب کی کہ اصل معاملہ صاف صاف بیان کرو، کیا تم نے ہی یوسف کو بچانے اور اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی؟ انہوں نے جواب دیا:

○ لَنْ نَعَاذَ اللَّهَ مِنْهُنَّ سِوَهُ عَدُوِّهِنَّ (یوسف ۵۷)

ترجمہ: "وہ بولیں، عاذا للہ ہم نے اس میں برائی کی کوئی بات نہیں پائی۔"

اس طرح یوسف علیہ السلام مختلف طور پر بری قرار دے دیے گئے اور عزیز مصر کی بیوی اس اعتراف میں سب سے آگے نکل گئی اس نے صاف صاف اعلان کیا "اب سچائی مکمل ہو چکی ہے" (سارا قصور میرا ہے) میں نے ہی اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی۔ "بادشاہ پر بھی حقیقت حال پوری طرح منکشف ہو جانے کے بعد اب کوئی رکاوٹ نہ رہی اور اس کا شوق ملاقات اور بھی شدید ہو گیا اور اس نے اس کا اقتدار اس طرح کیا:

○ وَقَالَ الْمَلِكُ انْظُرِي هَذِهِ ثِيَابُ يَوْسُفَ لِيُحِبُّوا (یوسف ۵۸)

ترجمہ: ~~بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ میں اس کو اپنے (کام کے) لیے خاص کر لوں~~

اس شان کے ساتھ اللہ کا اولوالعزم و فخر زنداں سے باہر اٹھا ہے اور پورے وقار و تمکنت کے ساتھ شاہی دربار میں داخل ہوتا ہے اور وہاں آپ کی بے پناہ وقار و جمال کی حامل مسکون کن شخصیت کی مکمل پذیرائی ہوتی ہے بادشاہ کی طرف سے اقرار و اعلاں ہوتا ہے۔

○ انک الیوم لنکینا مکن امن (یوسف ۵۳)

"آج سے آپ ہماری یہاں مسزود و مستعد ہیں۔"

اس بادشاہ نے اپنی واقفیت میں آپ کو بڑی پیش کش کردی، لیکن یوسف علیہ السلام تو اس عرض میں شدید قسم کے مزہجی مراحل سے گزر چکے تھے، ان کے لیے نہ تو اندھے کنوئیں کی ملائیم و اضطراب حیرانی و پریشانی کا سبب بنیں اور نہ ہی بعد کی غلامی کا مرحلہ۔ نہ عزیز مصر کے یہاں آقاؤں کی سی پذیرائی ان کے لیے حیران کن تھی اور نہ ہی زنداں کے طویل روز و شب پریشانی و گھبراہٹ کا سبب تھے، تو پھر یہ شاہانہ دربار کی شان و شوکت اور شاہی پیش کش کس کس طرح غیر متوقع ہو سکتی یا ذاتی مرموعیت کا سبب بن سکتی تھی!۔ آپ کو اندازہ تھا کہ یہ سب منصوبہ و مشیت الہی ہے اور عظیم مشن کا ایک مرحلہ، چنانچہ ایک قدم آگے بڑھ کر اس جادو حشم کے مالک سے عزم و اعتماد کے ساتھ مطالبہ کرتے ہیں:

○ قال اجعلنی علی خزائن الارض۔۔۔۔۔ (یوسف ۵۵)

ترجمہ: "میں نے کہا کہ مجھے ملک کے خزانہ کا نگران و مختار کردو میں حفاظت کرنے والا اور امور مملکت کا جاننے والا ہوں۔"

سرسری طور سے مطالعہ کرنے والا صالحہ کا شمار ہو سکتا ہے کہ "اجعلنی علی خزائن الارض" شاید طلب اقتدار کی درخواست ہے اور اس انداز فکر سے الجھن پر الجھن اور شکوک پر شکوک کے لیے راہ کھلنے کا امکان ہے۔ لیکن قرآن اور واقعات کے تسلسل کو ملحوظ رکھ کر غور کیا جائے تو صحیح صورت حال باہسانی واضح ہو جائے گی۔ درحقیقت معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اول تو یہ قصور ہی محال ہے کہ محض ایک باصلاحیت شخص کی التجا یا درخواست پر اقتدار تعالیٰ میں رکھ کر پیش کر دیا جائے!۔ اور نہ ہی یہ بات قرین قیاس ہے کہ اللہ کا نبی اقتدار یا جاہ و حشم کا متبعی و طلبکار ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے لیے اپنی عزت نفس یا مال کر کے عاجزانہ التجاء کرے!۔ یہاں "اجعلنی علی خزائن الارض" کا مطالبہ حالات کے طویل پلن منظر میں استقامتی پر عزم و اعتماد کے لب و لہجہ میں کیا گیا ہے جس کے عین السطور حکمران طبقہ کے لیے تنبیہ ہے کہ ماضی کے حالات اور تجربات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ تم لوگ امور مملکت اور حکومت کا نظم و نقش چلانے کے اہل نہیں ہو، اس لیے اگر ہلاکت و بربادی سے بچنا چاہتے ہو تو اختیار و اقتدار ایک اہل شخص کے حوالہ کرو جو صحیح معنوں میں "امین و حقیق" ہے اور یہ بھی محض دعویٰ نہ تھا بلکہ حالات و واقعات نے ثابت کر دیا تھا کہ اس معاشرے کے کلمہ و ہمد (عوام و خاص) میں کوئی کسی بھی اعتبار سے ان کا ہر مقابل نہ تھا، اسی لیے تو بادشاہ اور اس کی مشاہد رقی کو نسل نے بغیر پس و پیش و سرو چشم اس کو قبول کر لیا۔ یہ لمحہ غور و فکر ہے کہ یہاں قادر مطلق کی معجزانہ کار فرمائی اور کرشمہ کاری عجیب ہی انداز سے دونوں مراحل میں رونما ہوتی ہے اور خود قرآن دونوں جگہ ان الفاظ میں اس کا ذکر فرماتا ہے: "وکنانک مکننا لیسف لی الارض۔۔۔۔۔" (یوسف ۲۱) پہلے مرحلہ میں یہ ممکن ایک غلام کی حیثیت سے کہنے والے فرد کا عزیز مصر کے یہاں مالک و مختار بننا

تھا تاکہ انتظامی امور کی ابتدائی تربیت پایہ تکمیل تک پہنچے پھر وہ مرتے مرحلہ میں آپ زنداں سے نکلے ہی مسند اقتدار تک جاتے ہیں اور اللہ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے:

○ وَكَذَلِكَ مَكْنَانُ يُوسُفَ عَلَى الْأَرْضِ..... اِحْرَ الْحَسَنِ ○ (یوسف ۵۶)

ترجمہ: "اور اس طرح ہم نے یوسف کو مسند اقتدار پر متمکن کیا اور اس میں جہاں چاہے جگہ بنائے ہم جس پر چاہے ہیں اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں اور ہم محسنوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔"

مشرکین مکہ کے اس سوال کا کہ ہوا سرانجام مل مصر کیسے آئے اور یوسف علیہ السلام کو مصر میں متمکن کیسے حاصل

ہوا، وحی الہی نے مکمل اور جامع جواب دے دیا اور ساتھ ہی بین العصور یہ پیش خبری بھی فرمادی کہ تم یہ بھی دیکھ لینا کہ بالکل اسی طرح اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ماننے والوں کو مکہ میں غلبہ اور متمکن حاصل ہو گا۔ اور یہ تو دنیا ہی کی عزت و سرفرازی ہے آخرت کا اجر تو مومنوں اور متقیوں کو کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ملے والا ہے۔ بعض لوگوں کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ شاید یہ متمکن غلہ کی تقسیم کی حد تک ہی ہے۔ یہ موقف درج بالا آیت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ قرآن مطلق اقتدار کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی تائید سورۃ میں بعد کی آیات سے بھی ہوتی ہے "اس کی وہاں مزید وضاحت کی جائے گی۔"

۶۔ ماہر امور مملکت: اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبی کو سرزمین مصر میں فرمانروائی عطا فرمائی تاکہ یوسف علیہ السلام اور ان کی قوم کو ایک اللہ کی مافردان قوم کے مقابلہ میں متمکن و غلبہ عطا فرما کے انقلابی اصلاحات کی راہ ہموار کی جاسکے اور ساتھ ہی اللہ کے بندوں کو قحط کی ہلاکت خیزی سے بھی بچایا جاسکے۔ یوسف علیہ السلام کو اخلاق و کردار کے اعلیٰ ترین اوصاف کے ساتھ حکومت کے تقم و نسق اور امور مملکت کے انتظام و انصرام کی اعلیٰ صلاحیتوں سے بھی نوازا گیا تھا جس کا بین ثبوت قحط سالی کے مسئلہ پر قابو پانے کے لیے ان کا یہ مثال طریقہ کار تھا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا "انہوں نے پہلے ہی مشورہ دیا تھا:

○ لَمَّا حَصَدْتُمْ لِنُفُوسِهِمْ سَبِيلًا لَّا قَلِيلًا مَّا تَأْكُلُونَ..... (یوسف ۵۷)

ترجمہ: "اور زانی و فراخی کے دوران جو فصلیں تم کاٹو ان کو پاؤں میں چھوڑ دو سوائے اس تھوڑے حصے کے جو تم خوراک میں استعمال کرو۔"

اب ذرا مام اختیار سنبھالنے کے بعد اس تدبیر پر عمل کیا۔ تو رات میں کچھ تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یوسف علیہ السلام نے مصر میں دورہ کیا اور فراوانی کے سالوں میں مختلف علاقوں میں غلے کے بڑے ذخیرے جمع کر لیے جو قحط سالی میں بخوبی استعمال ہوئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور تائید و توفیق سے ایک موثر تدبیر کے ذریعہ تاریخ انسان کے شدید ترین قحط پر قابو پایا گیا۔

قحط کی شدت سے نہ صرف مصر بلکہ اس پاس کے علاقے شام و فلسطین، اردن وغیرہ بھی بری طرح متاثر ہوئے تھے لیکن مصر میں حسن تدبیر سے جمع کئے ہوئے غلے کے ذخیروں کی وجہ سے قحط سالی کے دوران قحط فراوانی رہی اور متاثرہ علاقوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بھی یہ ذخیرے کافی ہو گئے۔ جب یہ خبر پہنچی کہ مصر میں غلہ سستے داموں مل رہا ہے تو مختلف علاقوں سے قافلے غلہ حاصل کرنے مصر آئے لگے چنانچہ کنعان سے برادران یوسف بھی اسی کوشش میں مصر آئے فوراً ان کی شادی و دیار تک رسائی ہوئی۔ اس طرح پچھڑے ہوؤں کے رابطے کی راہ کھلی۔ قرآن اس ملاقات کے منظر کو پیش کرتا ہے:

○ وَجَاءَ أَخُو يُوسُفَ..... مَسْكُونٍ ○ (یوسف ۵۸)

ترجمہ: "اور یوسف کے بھائی مصر آئے پھر اس کے پاس پہنچے تو یوسف نے ان کو پہچان لیا اور انہوں نے اس کو نہ پہچانا۔"

یعنی برادران یوسف جب شامی دیار میں پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے تو انہیں پہچان لیا لیکن وہ ان کو نہ پہچان سکے اور وہ ان کو

بچاتے بھی کیسے!۔ ہمسال پہلے انہوں نے ایک کم سن لڑکے کو کنوئیں میں ڈالا تھا لیکن اب وہ تقریباً پچاس سال کا تجربہ کار یارِ عرب اور پروکار شخصیت کا حامل انسان تھا۔ ممکن ہے انھیں کچھ بھائی کی جھلک محسوس ہوئی ہو لیکن وہ یہ تو گمان بھی نہ کر سکتے تھے کہ جس بھائی کو انہوں نے کنوئیں میں ڈال کر کسی مصر کے گھرانے کا غلام بنایا تھا وہ اب اس شان سے مستند اقتدار پر فائز اور امیر مملکت کا مطلق حاکم ہو گا!۔ سر حال یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو غلام حسب خواہش دیا اور غلام کی تقسیم کے دوران افرادِ غلام کا ذکر بھی ہوا ہو گا (لیکن غلام ایسے حالات میں تعداد افراد کا خیال رکھا جاتا ہے) چنانچہ یوسف علیہ السلام نے جب ان کو یہ بتایا کہ انھیں دوبارہ بھی اتنا ہو گا کیونکہ غلام شہید ہے اور اس کا اثر طویل عرصہ رہے گا تو اس ضمن میں آپ نے ان پر زور دیا کہ اپنے سوتیلے بھائی بن یحییٰ کو بھی لے کر آئیں والد صاحب کے نہ آنے کے لیے تو کبھی سنی کا عذر معقول ہے ان کی عدم موجودگی میں اس عذر پر غلام سلکھا تھا لیکن جوان بھائی کے نہ آنے کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا چنانچہ ان کو سیدہ کی سچی کہ اگر وہ بھائی کو لے کر نہ آئے تو خود انھیں بھی غلام نہ دیا جائے گا۔ (یوسف ص ۶۰) پھر ان لوگوں کی واپسی کے وقت اپنے گارندوں کو اشارہ کیا کہ وہ مال (یا پونے) انہوں نے غلام کے عوض دیا تھا اس کو خاموشی کے ساتھ ان کے سامان میں واپس رکھ دیں تاکہ وہ یوسف علیہ السلام کی قیامی اور حسن سلوک سے متاثر ہوں اور جذبہ احسان مندی انھیں دوبارہ آنے پر ابھارتے۔ ایک طرف تو حکماء و عرب اور دھمکی تو دوسری طرف دل موہنے والی عمدتہ روش یہ بلاشبہ یوسف علیہ السلام کی معاملہ فہمی اور ذہانت و فراست کا بین ثبوت ہے۔ الغرض یہ کہ اور ان یوسف علیہ السلام نے اپنے والد یعقوب علیہ السلام کو تمام سرگوشیاں سنائی اور بتایا کہ آنکھ بن یحییٰ کو ساتھ لے جانا اشد ضروری ہے ورنہ ہمیں غلام نہ مل سکے گا اور ہم ان کی پوری طرح حفاظت و نگرانی کرتے رہیں گے (واللہ اعلم بالصواب)۔ پھر جب ان کی پوچھی (مال) بھی ان کے سامان میں واپس مل گئی تو ان کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی اور بھی زیادہ جوش و خروش سے والد صاحب پر زور دیا۔ یعقوب علیہ السلام نے شروع میں بن یحییٰ کو ساتھ بھیجنے سے انکار کیا اور کہا "کیا میں اس کے معاملہ میں تم پر ویسا ہی اعتماد کروں جیسا کہ اس کے بھائی کے معاملہ میں کیا تھا؟" (یوسف ص ۶۳) آخر کار ان کے اصرار پر زیادہ ہو گئے لیکن سخت عہد و پیمان کے بعد "میں اس کو ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک تم مجھ سے اللہ کے نام پر عہد و پیمان نہ کرو کہ تم اسے ضرور میرے پاس واپس لے آؤ گے الا یہ کہ تم سب گھیر کر لے جاؤ۔" (یوسف ص ۶۶)۔ چنانچہ جب اس طرح متفقہ عہد و پیمان کے بعد انہوں نے بن یحییٰ کو حفاظت واپس لانے کا اطمینان دلایا تو یعقوب علیہ السلام نے انھار رضا مندی فرما دیا اور چلتے وقت بطور احتیاط نصیحت فرمائی:

وَقَالَ يٰٓبَنِي لَا تَغْلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَلَا تَخْلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۖ الْمَوْتُ كُلُّونَ ۝ (یوسف ص ۶۷)

ترجمہ: "اور یعقوبؑ نے کہا اے میرے بیٹے تم سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہوتا بلکہ مختلف دروازوں سے (مصر میں) جانا۔ اور میں تم کو اللہ کی مشیت سے (کسی جج سے) نہیں بچا سکتا، حکم اللہ کے سوا کسی اور کا نہیں چلتا۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کریں۔"

ایک بیٹے کی جدائی کے بعد دوسرے کی مفارقت رقیب القلوب باپ پر کتنی گراں گزری ہوگی اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے! اس حال میں بشری تقدیر کے تحت کچھ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ہدایت کی جا رہی ہے لیکن ساتھ ہی ان کو یہ واضح کر دیا ہے کہ میں نے یہ نصیحت محض احتیاط کے طور پر ہی کی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اگر کچھ ہونے والا ہو تو اس سے میں تمہیں نہیں بچا سکتا۔ تدبیر و تدبیر کا یہ ایک اصولی نکتہ ہے جس کی یہاں وضاحت کی گئی ہے۔ اس عالم اسباب میں تمام انسان بشمول انبیاء علیہم السلام اسباب کے پابند ہیں اور سب ہی اللہ پر توکل کرتے ہوئے خارجی اسباب کے تحت احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ اور یہ طریقہ کار کسی طرح بھی ایمان باللہ اور توکل علی اللہ کے خلاف نہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے بندوں کی تدابیر (خواہ انبیاء ہی کی کیوں نہ ہوں) اللہ کی مشیت و احکامات کے تقاضا میں

ذرا بھی نقل یا اثر انداز جس ہو سکتیں، حکم تو ایسی اللہ ہی کا چھتا ہے اور تمام معاملات کا دار و مدار اسی کی مرضی و مشیت پر ہے۔ باپ کا اذن مل جانے کے بعد یہ کنعانی قافلہ بن یحییٰ بن عیین کی معیت میں مصر پہنچا، بیٹوں نے والد صاحب کے حکم کی تعمیل کی لیکن رب کی مشیت کے مقابلہ میں امتیاضی تدبیر کچھ کام نہ آ سکی، فرمایا :

﴿وَلَمَّا خَلَّوْا مِنْ حَيْثُ امْرُؤُهُمْ ابُوهُمْ ۖ مَا كَانَ يَغْنَىٰ عَنْهُمْ مِنَ الدَّيْنِ شَيْئًا ۖ لَا يَمْلِكُونَ﴾ (یوسف ۶۸)

ترجمہ: ”اور جب یہ (مصر میں) داخل ہوئے اسی طرح داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے ان کو حکم کیا تھا تو یہ امتیاض ان کو اللہ تعالیٰ (کی مشیت) کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آئی، ہاں مگر یہ خیال تھا یعقوبؑ کے دل میں جسے اس نے پورا کر لیا اور وہ بلاشبہ صاحب علم تھا اور ہم نے ہی اس کو یہ علم سکھایا تھا مگر اکثر لوگ (حقیقت) نہیں سمجھتے۔“

یعنی یعقوب علیہ السلام نے امتیاضی تدبیر ہمارے مطالعے کے مطابق ہی اختیار کی تھی لیکن اللہ کی مشیت جو بیش مصلحت پر مبنی ہوتی ہے (لیکن انسان اکثر وہ شر مصلحت دہانی کو نہیں سمجھ پاتے) کبھی تدبیر اس مشیت الہی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناکارہ ثابت ہوتی ہیں جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کیا تھا کہ توقعات کے برعکس بن یحییٰ کو روک لیا گیا۔ بظاہر تو یہ صورتحال پریشان کن تھی لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ نہ صرف بن یحییٰ بلکہ پورے خاندان یعقوبؑ کے حق میں بہتر ہوا۔ قرآن کے مطابق برادران یوسفؑ جب وہاں پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ہی بلا لیا اور اسے بتا دیا کہ میں ہی حیرا بھائی ہوں، اب تو ان کی بد سلوکی پر تمہیں نہ ہوتا۔ بھائیوں کی غلامانہ مرشد اور بد سلوکی کو مد نظر رکھتے ہوئے یوسف علیہ السلام کیسے گوارا کرتے کہ بن یحییٰ کو پھر انہی کے ساتھ واپس بھیج دیں لیکن رائج الوقت مصری قوانین کے تحت کسی غیر ملکی کو بیغیرہ قتل و جرح کے روکنا ممکن نہ تھا اور یوسف علیہ السلام کے لیے اس وقت اپنے راز کو افشاء کرنا بھی خلاف مصلحت تھا۔ ان حالات میں، ملکی طریقہ کار پسندیدہ اور موزوں ترین تھا جو انہوں نے بھائی کو روک لینے کے لیے اپنایا ”اس کے علاوہ اور کوئی مناسب چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ بھائیوں کی سواریوں میں لحد لداستے ہوئے اپنا پیالہ بن یحییٰ کی سواری میں (خفیہ طور سے) رکھ دیا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خفیہ تدبیر کا علم یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کے علاوہ کسی اور کو نہ تھا چنانچہ کارندوں کو جب غم شدگی کا پتہ چلا تو انہوں نے پہلے اس کا اعلان کیا پھر غیر ملکی لوگوں یعنی کنعانی قافلہ والوں پر شک کرتے ہوئے ان کے سامان کی تلاشی لی۔ پہلے برادران یوسفؑ کا سامان چیک کیا گیا پھر بن یحییٰ کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں پیالہ برآمد ہو گیا اس طرح شریعت ابراہیمی کے مطابق یوسف علیہ السلام کے لیے اپنے بھائی کو روک لینے کا جواز فراہم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو رہائی تدبیر قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا :

كَذَلِكَ كَلَّمْنَا يَوْسُفَ ط.....عَلَّمَ عَلِيمٌ ﴿يُوسُفَ ۷۱﴾

ترجمہ: ”اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی وہ بادشاہی قانون کی رو سے اپنے بھائی کو نہ لے سکتا تھا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے سے بلند و فوق ایک علم والا ہے۔“

یہ بھی ممکن ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے پیالہ محض نشانی کے طور پر ہی رکھا ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو ٹھوس تدبیر امر بنا کر مقصد کا ذریعہ بنا دیا۔ بہر حال یوسف علیہ السلام کے لیے یہ موقع انتہائی خوشی و مسرت اور رب کی شکر گزاری کا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مشکل حل کر دی اور ان کے لیے حالات کو سازگار بنا دیا۔ چنانچہ بن یحییٰ کو روک لیا گیا اس پر برادران یوسفؑ کا جذبہ حسد اور بھڑک اٹھا اور انہوں نے نہایت ہی بے باکی سے جھوٹ پر جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ ”مگر اس نے چوری کی ہے تو یہ تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کا بڑا بھائی بھی چوری کر چکا ہے!“ (یوسف ۷۷)۔ معاذ اللہ! انسان جب شیطان کے ہاتھ میں کھینچے لگے تو خود ہی شیطان بن جاتا ہے۔ قرآن نے دو کرداروں کا کیا تشابہ و تقابل پیش کر دیا ہے ایک طرف انتہائی شریف النفس و پاک طبیعت مہربان نفس

کے عسکرانہ اوصاف سے آراستہ یوسف علیہ السلام کا کردار ہے جو بالمشافہ صریحاً "بھوٹ پر بھی لغو الزام سن لینے کے بعد بھی مسکرا کر خاموش ہو جاتے ہیں اور اپنے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر کے اس کے فیصلے کا انتظار فرماتے ہیں تو دوسری طرف یہ سفاک اور شقی القلب براہ وران یوسف ہیں جو اپنے بھائی کی (بن بھین) بدافعت نہ کر سکتے تھے تو خاموشی ہی اختیار کرتے" اس کے برعکس وہ ان نیک خو یا کیزو بھائیوں پر ہر قسم کے مظالم توڑ لینے کے بعد اب بے بنیاد الزام و اتہام تراشی پر اتر آتے ہیں کیسے بے خوف ہیں آخرت کی جواب دہی اور اللہ کی پکڑ سے! دینا پرستوں کے طرز عمل کا مفاد پرستانہ یہ پہلو بھی دلچسپی سے غالی غمیں کہ مسند افتخار پر متمکن یوسف علیہ السلام کے سامنے تو براہ وران یوسف کی گمراہی جھکی ہوئی ہیں "خوشحالانہ" روش ہے اور اس کو "عزیز مصر" (یعنی منصور سرکار و تاجرو) کے القاب سے خطاب کیا جا رہا ہے لیکن ٹھیک اسی وقت ان کا بھائی کنعان کا جوان سال (دوبہائی) یوسف تاقی اور بے بنیاد بھوٹ نے الزام میں ملوث کیا جا رہا ہے!! ان لوگوں کے لیے یہ گھبراہٹ و پریشانی والی بات تھی "باپ سے کیا ہوا محمدویان و مہن و خیال میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ قادر مطلق کی قدرت کاملہ بھی یاقینی و سرکش سے بھرپور انتقام لیتی ہے۔ ابھی تو دعویٰ کیا تھا کہ "اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ ہم لوگ اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم کبھی چور تھے" (یوسف ۳۷) اور زبان کی دوسری کموت سے نہ صرف بن بھین کو چور تسلیم کیا بلکہ غیر مذہب و بھائی کو بھی چور قرار دے دیا اور اس طرح پہلے بیان کی تردید میں اپنے خاندان کو "چوروں کا خاندان ثابت کرتے ہوئے" اپنی ہی زبان سے اپنے آپ کو بھوٹا ثابت کر دکھایا اور جن کارندوں کے سامنے پاکیزگی کا دعویٰ کیا تھا ان ہی کی نظروں میں اپنی رسوائی کا سامان فراہم کر دیا۔ اسی لحاظ سے یوسف نے دل میں کہا "قال انتم ضرر مکملنا" واللہ اعلم بما تصنعون" (یوسف ۷۷) یعنی "تم لوگ اپنے ہی لیے برا مقام بنا رہے ہو اور اللہ خوب جانتا ہے حقیقت حال کو"۔ انجام کار قول پار جانے کے بعد رسوائی اور پسپائی سے دوچار ہو کر نہ سلامت اور خوشحالانہ روش اختیار کرتے ہوئے التجا کرتے ہیں کہ:

"اے عزیز مصر! اس کا باپ بہت بزرگوار ہے (اس کو تو پہلے ہی ایک بیٹے کا غم لاحق ہے) آپ اس کی جگہ ہم میں سے کئی ایک کو مددک نہیں لیں! ہم آپ کو بہت ہی نیک دل پاتے ہیں"۔۔۔۔۔ (یوسف ۷۸)

یوسف علیہ السلام ان کو جواب دیتے ہیں:

قال معاذ اللہ ان ما خلتا من وجنتنا متاعنا عندنا انما الظلمون (یوسف ۷۹)

ترجمہ: اے! اللہ کی پناہ کہ ہم اس کے سوا کبھی کو پکڑیں جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس صورت میں تو ضرور ظالم ٹھہریں۔

کیسا نمایاں فرق ہے دو کرداروں میں یوسف علیہ السلام جب کچھ سنتے دیکھتے اور سننے کے باوجود صبر و عظم کے ساتھ خاموشی اختیار کرتے رہے اور اب مجبوراً "اب بھائی کی بی بی تو زبان سے صرف یہی الفاظ ادا ہوئے کہ "من وجنتنا متاعنا عندنا" (جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے) "یہ نہیں کہا کہ "جس نے ہمارا سامان چرایا ہے"۔ فقط اللسان اور احتیاط کی کیا اعلیٰ شان ہے اور ایک انسانی پیچیدہ صورت حال سے عمدہ برآ ہونے کا بہت عذر و قار اور مستحیات انداز ہے۔ براہ وران یوسف "ابوس ہو کر واپس کنعان پہنچے ہیں اور والد صاحب سے صورت حال کو اپنے انداز سے بیان کرتے ہیں "کہ تمہارے بیٹے نے چوری کی ہے۔" "علم الطبع و ظہیر ایسی شدید آزمائش میں بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑتا اور مشیت الہی پر صبر و شاکر ہو کر جواب دیتا ہے:

قال بل سولت لکم انفسکم اموا! لقصیر جمیل (یوسف ۸۳)

ترجمہ: "باپ نے (یہ سن کر) کہا "اور اصل تمہارے نفس نے ہی تمہارے لیے ایک بات بتائی ہے جس میں تو اس پر صبر جمیل کروں گا امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا وہ خوب جانتے والا حکیم ہے۔"

اس طرح یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی تکبر و اور شیطانیت کی نشاندہی پر وقار انداز میں قہر مای اور محبوب و مظلوم بیٹوں کے غم میں نڈھال ہونے کے باوجود یہ جتا دیا کہ وہ رب رحیم کی رحمت سے پر امید ہیں کہ ان کے بیٹے ان کو مل جائیں گے۔ شقی القلب بیٹے اس حال میں بھی طعن و تشنیع اور تمکین باپ کی دل آزاری سے باز نہیں آتے اور کہتے ہیں کہ "تم تو یوسف کے غم میں خود کو ہلاک ہی کر ڈالو گے" تو اس پر بھی انتہائی قہر سے جواب دیتے ہیں:

انما اشکو ابی وحلی الی اللہ واعلم من العمل لا تعلون ○..... (یوسف ۸۶)

ترجمہ: "میں اپنے رنج و غم کی قریا اللہ ہی سے کرتا ہوں (کسی اور سے نہیں) اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

اس طرح بیٹوں کے کڑوتاہ پر زہر و توحیح کی بجائے اپنا درد و غم مالک حقیقی کے سامنے پیش کرتے ہیں "اس کی مشیت پر صابر و شاکر ہیں اور اس کی رحمت سے قطعی مایوس نہیں یوسف علیہ السلام کے خواب کی بشارت بھی ذہن میں تازہ ہوگی چنانچہ انجام کار خیر کی توقع رکھتے ہوئے بیٹوں کو پر امید لہجہ میں نصیحت فرماتے ہیں:

"اے بیٹو جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اللہ کی رحمت سے تو صرف کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں"..... (یوسف ۸۷)

باپ کے اصرار پر اور قحط کی شدت کے پیش نظر غلہ کے حصول کے لیے برادران یوسف علیہ السلام تیسری مرتبہ مصر روانہ ہوتے ہیں اور شاہی دربار میں حاضر ہو کر اپنے گھر کی پریشان حالی کا ذکر کرتے ہیں اور کم پونجی کے باوجود نہایت ہی عاجزی کے ساتھ پورا بار شتر غلہ حاصل کرنے کی التجا کرتے ہیں۔ ایک سعید الفطرت انسان کے لیے یہ چیز بھی ناقابل برداشت ہوتی ہے کہ وہ فراخی اور بخشش کی زندگی گزارے اور اس کے اہل خانہ محکمہ مٹی کا شکار ہوں اس لیے اب معاملہ کو مزید طول دنیا بالکل مناسب نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سادہ گار حالات کو پورے تسلسل کے ساتھ مختلف مراحل سے گزار کر یہاں تک پہنچا دیا کہ یوسف کو اندھے کونٹوں میں ڈالنے والے آج انہی کے آگے بے بسی اور درماندگی کی حالت میں ہاتھ پھیلائے غلہ کے طلبگار کھڑے ہیں! اب جبکہ قدرت کا انتقام کھل ہو گیا وقت آیا کہ حقیقت سے پردہ اٹھا دیا جائے چنانچہ یوسف علیہ السلام کا ایک گفتگو کا رخ بدل کر فرماتے ہیں:

"کیا تمہیں خبر بھی ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جبکہ تم نادان تھے؟"..... (یوسف ۸۹)

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اپنی التجا کے جواب میں یہ دھماکہ خیز بات سن کر برادران یوسف تو ورطہ حیرت میں ہی غرق ہو گئے ہوں گے۔ چنانچہ شدت استعجاب میں انہوں نے چونک کر پوچھا کہ

"کیا (واقعی) تم ہی یوسف ہو؟"..... (یوسف ۹۰)

یوسف علیہ السلام نے جواب دیا:

"میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے یو قحطی اور پرہیزگاری کی روش اختیار کرے اور (مہضاب میں) صبر کرے تو اللہ تعالیٰ محسنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"..... (یوسف ۹۱)

۷۔ اعلیٰ ظرف و اخ کریم: خود کرنے کا مقام ہے کہ ایسے موقع پر جبکہ جذبات میں غلاطم ہو اور حالات فیض و غضب کو بھڑکانے والے ہوں، ایک محسن و مصلح کس قدر علم و انا کا پیکر اور صبر و ثبات کی گویا چٹان ہوتا ہے چنانچہ انتہائی جامع انداز اور جذبہ تشکر سے مہرشار لہجہ میں بھائیوں کو صبر و تقویٰ کی نصیحت فرمائی اور بہت ہی خوبصورت انداز میں بتایا کہ تم لوگوں نے اللہ سے بے ٹوفی اور بے صبری کا طرز عمل اختیار کر کے اپنے بھائیوں کے ساتھ جو بیہانہ سلوک کیا تھا تو پھر کیا پایا؟ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت اور نوازش سے میرے صبر و تقویٰ کا

کیا انعام عطا فرمایا ہے! بھائی اس کا کیا جواب دیتے! وہ تو عرق نہامت میں غرق ہیں ان کے پاس سوائے شرمساری اور بھگانے احساس کمتری کے اور کیا ہے۔ جائے ہجرت ہے کہ اپنے دشمن شیطان لعین کے ہاتھ میں کھلوتا بن کر نفس امارہ کی اطاعت کرنے والے کس طرح رسوائی سے دوچار ہوتے ہیں! اور آخرت کی ذلت و رسوائی تو یقیناً ہزار بار گنا زیادہ ہے۔ ہر حال اب حقیقت کھل جاتے کے بعد تو ماضی کے تمام گزشتہ اور بھگانے سرگرمیوں کا پورا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہو گا اور خود کو عزیز مصر کی بدالٹ کے کنبے میں ہی منظور کر رہے ہوں گے۔ لیکن تاہم یہ اس رسم دل بھائی کا نرم رویہ تھا کہ ان کو لب کشائی کی جزا ت ہوئی اور سر جھکا کر مت ہی عاجزی سے اعتراف کیا۔ یاد قرآن اس منکسے کی بجائے ہی دلشیں اور افسوس منظر کشی کرتا ہے ملاحظہ ہو:

○ فَاُولَٰئِكَ لَظٰلِمٌ لِّلّٰهِ عَلَيْهِمْ اِنَّ كَمَا لَعَلُّوْنَ ○ قَال لَا تَصْرِبْ عَلٰیكَ الْيَوْمَ ○ يَقُولُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحْمٰنِ (یوسف ۹۴)

ترجمہ: "(بھائیوں نے) کہا اللہ کی قسم بلاشبہ اللہ نے تم کو ہم پر فضیلت دی ہے اور بیشک ہم ہی قصوروار تھے۔ (یوسف نے) کہا 'آج تم پر (مصری طرف سے) کوئی الزام نہیں' اللہ تمہیں معاف فرمائے وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا۔ یہاں ایک لمحہ کے لیے لہر کر یہ سوچ لیا جائے کہ اس موقع پر تقویٰ سے ماری اور یوم حساب سے بے پرواہ انسان ایسے ظالم و سفاک سوتیلے بھائیوں کو اپنے قابو میں پا کر شدت غیظ و غضب اور جوش انتقام میں صرف زبانی طعن و تشنیع اور زیر و قویٰ پر ہی اکتفا نہ کرے گا بلکہ قرار واقعی سزا دینا بھی ضروری اور جائز خیال کرے گا تاکہ (اس کے اصول کے مطابق) دنیا والوں کو عبرت حاصل ہو۔ لیکن اللہ کے برگزیدہ نبی کا معاملہ کس قدر مختلف ہے وہ شیطان کے وار کو قطعاً کارگر نہیں ہونے دیتا اپنے نفس کو اس قسم کی تاویل کا موقع ہی نہیں دیتا بلکہ وہ اس سطح سے بلند ہو کر اعلیٰ مرتبہ اور بلند اخلاقی کا ایک عظیم اور نقید المثال نمونہ پیش کر دیتا ہے تاکہ وہ برحق دنیا تک لوگوں کے لیے فصاحت و مہارت کا ذریعہ بنا رہے۔ یوسف علیہ السلام نے بھی مثال پیش کر دکھائی۔ اللہ تعالیٰ نے حالات کے روپ میں ان کی طرف سے پورا ہی انتظام لے لیا تھا لیکن اب جبکہ ان کی اپنی باری آئی تو انہوں نے انتہائی مالی غریبی اور فراخ دلی کے ساتھ ماضی کی شدید غمیں کر یکسر بھلا دیا اور اظہار کسی پس و پیش کے بھائیوں کے ساتھ مشفقانہ و کریمانہ سلوک کر کے برادرانہ تعلقات استوار کر لیے۔ ان کو اپنی طرف سے تمام الزامات سے بری قرار دے دیا اور پھر ان کے سامنے ہی اللہ سے ان کے لیے معافی و مغفرت کی دعا فرمائی پھر ان سے کہا کہ "تم میرا بیٹا بن لے کر جاؤ اور اس کو والد کے چہرے پر والو (انشاء اللہ) ان کی بیٹائی واپس آ جائے گی۔ پھر گھبراہٹوں کو یہاں لے آؤ۔" (یوسف ۹۳) اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی کرمہ کاری بھی ملاحظہ کیجئے۔ یوسف کو ان کے بھائیوں نے جن ہاتھوں سے چاہ کھان میں ڈال کر ان کا باؤلی طون آلود بیٹا بن لے جا کر والد صاحب کی خدمت میں پیش کیا تھا اور جن زہانوں سے بھوئی اور پر فریب داستان سنا کر غمگین باپ کے قلب و جگر کو چھلکی کیا تھا اور یہی غم ان کی بیٹائی ضائع ہونے کا سبب بنا اب انہی ہاتھوں سے زندہ یوسف کا بیٹا بن لے کر باپ کے زخموں پر مرہم رکھنے جا رہے ہیں تاکہ انہی زہانوں سے ان کے اقتدار عزت و ہر قرازی کی سرگزشت بھی سنا دیں اللہ جب یہ کھائی تالہ بیٹا یوسف کے ساتھ مصر سے روانہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مجرمانہ طور پر سنگلوں میل کے واسطے پر یعقوب علیہ السلام تک اس کی خوشبو پہنچا دی اور انہوں نے بیٹوں کو خایا کہ "اگر تم مجھے بڑھاپہ میں سلجھایا ہوا نہ کہو تم میں بیٹاؤں کہ مجھے یوسف ہی مسک آ رہی ہے" (یوسف ۹۳) بیٹوں نے توقع کے مطابق مذاق اڑایا اور کہا آپ پر تو ابھی پرانا خط ہی سوار ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نافرمان بیٹے ابھی تک تسکوت و شقاوت قلبی کا شکار تھے اور اپنے باپ کے غم و فراست اور نبوت کے ذرا بھی قدر دان نہ تھے۔ لہذا یہ لوگ کھانا پہنچے اور بیٹا یوسف باپ کے چہرے پر ڈالا تو اللہ کے حکم سے یعقوب علیہ السلام کی بیٹائی واپس آئی اس وقت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

"کیا میں تم سے نہ کہتا تھا کہ اللہ کی طرف سے وہ کچھ چاہتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔" (یوسف ۹۶)

اپنے بوڑھے باپ کے ناقد رواں بیٹے اب شرم ساری اور خفت سے سرشار ہیں، غرق غامت میں غرق گردن بھٹکائے ہوئے کہتے ہیں "اے ابا جان! ہمارے گناہوں کی معافی کے لیے دعا فرمائیے بلاشبہ ہم خطا کار تھے۔" (یوسف ۹۷)۔ یعقوب علیہ السلام ان کے لیے دعائے استغفار کا وعدہ فرماتے ہیں پھر یعقوب علیہ السلام سے اپنے خاندان مصر روانہ ہوتے ہیں۔ تورات میں اس واقعہ کو کافی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مختصراً "یہ کہ وہاں پہنچتے پر ان کا شمالی ان شمالی طرف تھے پر استقبال کیا گیا۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے پاس بٹھایا اور (باقی کتبہ والوں سے) کہا کہ "مصر (شہر) میں چل کر آرام سے رہو" انشاء اللہ" (یوسف ۹۹)۔ آگے قرآن کا بیان ہے:

○ ورنہ ابوہدی علی العرش وخر والدسجنا ۛ وقال ہانت هنا تاویل رہی اید۔ الخ (یوسف ۱۰۰)

منصوب رہائی اور قدرت کاملہ کی حیرت انگیز کرشمہ کاری بھی ہے اجتماع الحجب اور قابل غور ہے کہ یوسف علیہ السلام کے واقعہ کی ابتداء خواب سے ہوتی ہے اور انتہا خواب کی عملی تعبیر پر اور تمام واقعات جو ان کی زندگی کے ٹھیک و فراز میں حالات کی سازگاری اور چارہ سازی کے بے مثال نمونوں سے بھرپور ہیں حیرت انگیز ترتیب و تسلسل سے رونما ہوتے رہے ہیں اور قادی کے سامنے ایک ایسے حق آموز واقعے کا نقشہ پیش کرتے ہیں جس میں یوسف علیہ السلام کا کردار انتہائی غیر متزلزل ہے اور مہربانہ استقامت کا بے مثال نمونہ ہے یوں تو عام لوگوں کے خواب میں سے بھی بعض میں بعض والے واقعات کی کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوتی ہے لیکن ان میں سے اکثر وہ شعر یا توحید طائی و سوسے ہوتے ہیں یا انسانی فکر و تخیل کی کار فرمائی۔ البتہ نئی کے خواب ہمیشہ ہی سچے ہوتے ہیں (وحی کی ایک شکل ہوتے ہیں) اور رہائی بشارت ہوتے ہیں کبھی براہ راست اور کبھی تشبیہی شکل میں۔ یوسف علیہ السلام کا خواب بھی حیرت انگیز تشبیہی انداز میں اللہ کی بشارت تھا جس کو صرف اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام نے سمجھا (جس قدر اللہ نے چاہا) اور ان کے بیٹے مستقبل میں ہونے والے نبی نے اس پر پورا پورا اہتمام کیا یا نقل ایسے ہی جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو نذیر کر کے کا عجیب و غریب خواب بیان کیا تو ان کے نبی بننے والے بیٹے اسحاق علیہ السلام نے اس پر بھرپور اہتمام کیا اور اپنے آپ کو رمضانہ الہی کے تحت نذیر ہونے کے لیے پیش کر دیا۔ اللہ پر توکل اور اس کے نبی پر اہتمام کے یہ واقعات بے حد نصیحت آموز ہیں اور ایمان باللہ کی یہ شان اس کے انبیاء اور صدیقوں (جیسے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کا ہی حصہ ہے اور قیامت تک ایمان کا ذوق رکھنے والوں کے لیے بیش بہا نمونہ۔

خاندان ابراہیم کو بے مثال قربانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ عظمت و رفعت عطا فرمائی جو اپنی مثال آپ ہے "بائکل اسی طرح یوسف علیہ السلام کو خواب میں دی گئی بشارت کی تکمیل سے پہلے کس قدر میرزا اور حوصلہ شکن مراحل سے گزرنا پڑا اور وہ تمام مراحل میں ہر تسلیم خم ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے خواب کو حرف بحرف کھج ثابت کر دکھایا۔ یہ اللہ کی اپنے خاص اور محبوب بندے کی تکریم کا بائکل ہی انوکھا اور فقید المثال انداز تھا جس کو قرآن میں "وحووالہ مسلجہ" کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ یہاں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ "چہرے پر جی بن ڈالنے سے رہائی کا واپس ہو جانا" یا یوسف علیہ السلام کے لیے سجدہ میں جھک جانا یا ایسے واقعات ہیں کہ قرآن کی بجائے ان کا ذکر احادیث مجیمہ (بخاری و مسلم) میں ہوتا تو معجزی فکر کے حاملین فوراً "ہی ان واقعات کو انکار حدیث کے لیے ہمارے بنالیتے اور ان احادیث کے خلاف پر تور انداز میں کتابچے چھپ جاتے۔ دراصل جی بن والے واقعہ کو نبی کا پیغمبر ہی سمجھنا چاہیے اور دوسرے واقعے کو دین جالہ مطور کے مطابق اللہ کی طرف سے اس کے بندے کی تکریم قرار دینا چاہیے۔ پھر نہ تو کوئی اشکال ہو گا اور نہ قرآن و حدیث کے

انکار کی قوت آئے گی۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کا کیا جواز ہے؟ کیا یہ دوسری شریعتوں میں جائز تھا؟ اس قسم کی قیاس آرائیوں کو اس غلط فہمی کی وجہ سے راہ لی ہے کہ اس سجدہ کو سطور میں مخصوص انداز میں کئے جانے والے۔۔۔۔۔ سجدہ کے ہم معنی قرار دے دیا گیا ہے۔ اور پھر یہ قیاس کر لیا گیا کہ شریعت محمدی میں غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے لیکن دوسری شریعتوں میں سجدہ تعظیمی جائز تھا یہ۔۔۔۔۔ سجدہ خواہ تعظیمی ہو یا عبادتی غیر اللہ کے لیے قطعاً "حرام" ہے۔ مشترک فعل تو کسی بھی شریعت میں جائز نہیں ہو سکتا! ان قیاس آرائیوں اور موشگافیوں سے بچنے کا محتاط اور صاف شعراطیہ یہ ہے کہ "سجدہ" کے لغوی معنی پر ذرا غور کر لیا جائے۔ سجدہ (السجدة) کے لغوی معنی "عما جزی و خاکساری کے ساتھ جھکنا" ہے، "تہکیر" یا بیٹھے سر کو جھکانا بھی اسی میں شامل ہے۔ یہاں "خرو والد سجدا" سے بھی تفہیم "جھکنا" مراد ہے جو قدیم تہذیب میں تو عام رواج تھا اور آج کل بھی کیسی کیسی مشاہدے میں آتا ہے۔ یہ یہ معروف سجدہ جس میں ہاتھ اور گھٹنے زمین پر رکھ کر پیشانی کو مخصوص انداز میں زمین پر لگایا جاتا ہے یہ عبادت کے لیے مخصوص ہے اور غیر اللہ کے لیے حرام ہے اور کسی بھی شریعت میں اس کا جواز خارج از امکان ہے۔

الغرض یوسف علیہ السلام 'جو اس سبق آموز قصے کے مرکزی کردار ہیں' اپنے عروج و کمال کی انتہا پر پہنچ کر جبکہ بد فو اور شقی بھائی آپ کے سامنے سرنگوں ہیں، کبر و نخوت کے ساتھ ان پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے کی بجائے عام معافی کا اعلان فرماتے ہیں "اور اپنی طرف سے بھائیوں کی صفائی بھی پیش کرتے ہیں کہ شیطان نے ہمارے تعلقات میں رخت ڈال دیا تھا۔ پھر بھائیوں کی ظالمانہ بد سلوکی کی بھی احسن تاویل کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و غیہ تدبیر تھی جو مجھے اس مرحلہ تک پہنچانے کا سبب بنی۔ اس طرح عام دنیا پرست انسان کی روش کے برعکس اللہ تعالیٰ کے اعمال اور اس کی نوازشات کا جائزہ و مخلصانہ اعتراف فرماتے ہیں "علم تاویل حدیث اور دنیاوی عہد و منصب کو اپنی صلاحیتوں کا نتیجہ قرار دینے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا عطیہ و انعام قرار دیتے ہیں۔ ابتداء سے انتہام تک مختلف مراحل میں رب کے احسانات کا ذکر فرماتے ہیں اور پھر شدید احساس بندگی سے سرشار جذبات کے ساتھ انکار و تشکر کرتے ہوئے التجاہ کرتے ہیں "اے میرے مالک! تو ہی میرا دنیا اور آخرت میں ولی و کار ساز ہے! اپنی اطاعت و بندگی پر قائم رکھنا اور اسی پر موت و نا اور پھر اپنے صالح بندوں میں شامل کرنا"۔ قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وَبَلَدَاتِنِي مِنَ الْمَلِكِ وَعَلَيْتَنِي مِنَ الْإِحْسَانِ تَابِلِ الْأَحْسَانِ وَالْعَفْوَ بِالصَّالِحِينَ (یوسف ۱۸)

ترجمہ: "اے میرے رب! تو نے مجھے اقتدار عطا فرمایا، توابل الاحسان کا علم سکھایا۔ زمین و آسمان کے ہمارے والے! تو ہی دنیا و آخرت میں میرا ولی و سرپرست ہے! میرا خاتمہ اسلام پر کرنا اور انجام کار صالحین میں شامل فرما لینا۔"

غور فرمائیے! یہ انتہائی دعائیہ کلمات اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی کے مخلصانہ جذبات و تشکر کی کیسی موثر ترجمانی کرتے ہیں۔ سورۃ النمل میں سلیمان علیہ السلام اپنے اوپر اور اپنے والد داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نوازشات کا ذکر کر کے نمل صابر پر استقامت اور رب کی رحمت و مغفرت کے ذکر کرتے ہیں۔ (سورۃ النمل آیت ۲۵)۔ یوسف علیہ السلام مالک الملک کے احسانات کو ذہن و خیال میں تازہ کر کے خشوع و خضوع کے ساتھ اعتراف نعمت اور اقرار ربوبیت کا انکار فرماتے ہیں "تو قلی سلیمان و العفی بالصلحین" کے جامع ترین دعائیہ الفاظ پر انتقام فرماتے ہیں۔

۸۔ ہو عظمت و فصاحت: جیسا کہ درج بالا طور میں عرض کیا گیا قصہ یوسف کوئی افسانہ یا محض دل بھانے والی کہانی نہیں ہے یہ تو ایک غیر معمولی عبرت و نصیحت سے بھرپور و لوگ انگیز و استقامت عزیمت ہے جس کے اندر صاحب فکر و بصیرت کے لیے فصاحت و عظمت کے پیش رہاؤں میں اصول پنہاں ہیں جن کا ذکر مناسب موقعوں پر کر دیا گیا ہے۔ یہاں خلاصہ کے طور پر چند اہم پہلوؤں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ اس کے مطالعے سے دو قسم کے گزارے نکل کر سامنے آتے ہیں۔ ایک طرف آخرت کی جواب دہی سے بے نیاز خواہشات نفس کے پیچھے دوڑنے

والے ہیں (برادران یوسف اور مصری خواص و عوام) تو وہ سری طرف فکر آخرت سے سرشار پاک طینت و پاکیزہ سیرت مرد مجاہد کا کردار ہے۔ برادران یوسف بغض و حسد کے روگ میں مبتلا ہو کر اخلاق و انصاف بندھ دینی و ترمیم کے انسانی اوصاف سے بالکل ہی محروم نظر آتے ہیں ان کے نزدیک کامیابی کا انحصار صرف اس پر ہے کہ کسی طرح اعلیٰ صفات کے حامل فرشتہ حصلت سوتیلے بھائی کو ٹھکانے لگا کر اپنے والد کی تمام تر توجہ و التفات اور گھر میں خصوصی مقام حاصل کر لیں۔ ان کی ساری سعی و جہد صرف اسی کے لیے وقف ہے۔ پھر شرعی حلقہ میں وہ نام نہاد مہذب و متمدن معاشرہ ہے جو بخوشی اختلاط و آزادی اور بے راہروی سے بری طرح آلودہ ہے جہاں عوام و خواص کی زندگی کا مقصد صرف عیش و طرب اور خواہشات نفس کی تسکین ہے اور ان کے نظام عدل اور معنی و جہد کا مرکز و محور اسی مقصد کا حصول ہے اور اپنے بے راہروی کا شکار معاشرہ کی سطحی اقدار کے دفاع میں ایک بے خطا اور معصوم انسان کو بھرموں کے گھرے میں بھونک دینے میں عار محسوس نہیں کرتے!۔ اس کے برخلاف دو مصری طرف ہمارے سامنے ایک جواں بہت و جوان سال پاک طینت مرد مجاہد ہے جو سوء حساب اور رب کے عذاب سے لبرڈاں ہے اور اللہ کی مشیت اور اس کی وصاء پر پوری طرح راضی ہے وہ صبر استقامت اور علم و امانۃ اور اعلیٰ اخلاق کا ایسا نمونہ ہے کہ ہر قسم کے اعلیٰ مناصب و مراتب اور عیش و طرب اور نفسانی خواہشات کی بے پناہ شیطانی ترغیبات کو عزم و ارادہ کی چٹان بن کر بے نیازی سے ٹھکرا دیتا ہے۔ توکل علی اللہ اور تفویض الامور الی اللہ کے بعد قلب مطمئن کے ساتھ اپنے رب کے فیصلہ کا شکر رہتا ہے۔ وہ باغی بد کردار نفس کاری کے شکار معاشرہ کے رنگ میں رنگ جائے اور اللہ کی نافرمانی سے آلودہ معاشرہ کے دھارے میں بہ جانے کی بجائے "رب السجن احب الی۔۔۔۔۔" کہہ کر زنداں کی صعوبتوں کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ طاقت پرستی کے نظام کے خلاف خود اپنی ذات میں ایک تحریک ہے جس کو قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور تائید و نصرت حاصل ہے اور رب کی مدد و نصرت پر اس کو بھرپور یقین ہے چنانچہ تمام صعوبتیں برضا و رغبت انگیز کر لینا اور باطل سے آنکھ ملا کر معاملات کی اصلاح کرنا اس کے لیے بالکل آسان ہو جاتا ہے۔ اس داستان عزیمت کے مطالعہ کرنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ پوری داستان اس کے مرکزی کردار یوسف علیہ السلام ہی کی تربیت کے تحت و جاں نسیب آزمائشی مراحل پر مشتمل ہے خواہ وہ آزمائشی رنج و الم اور شدائد و مصائب سے بھرپور چاہ کھائیں اور مصر کے زنداں کی شکل میں ہو یا عزیز مصر کے محل میں عیش و طرب دولت و ثروت اور خواہشات کی تکمیل کے حسین و القریب ذرائع و وسائل سے کراسہ شیطانی ماحول کی شکل میں ان تمام آزمائشی مراحل سے گزر کر یوسف علیہ السلام کی شکل میں ہمارے سامنے وہ قابل رشک اینٹیل (نمونہ) ابھر کر آتا ہے جو مزانہ و جاہت اور وقار کے ساتھ انتہائی پاکیزہ عبور اعلیٰ اخلاق و کردار "صبر و شکر" عزت نفس اور عزم و استقامت کا پیکر ہونے کے علاوہ بے انتہائی و نہیم اور انتہائی پر اعتماد ہر امور مملکت کے تمام اوصاف حمیدہ سے متصف ہے یہاں تک کہ آخری مرحلہ میں جب اللہ تعالیٰ ان کو منصب اقتدار پر فائز فرماتا ہے تو اس وقت بھی وہ بدرجہ اتم علم و امانۃ اور مقو و رگدڑ کی صفات سے متصف نظر آتے ہیں۔ جن شقی القلب بھائیوں کے ہاتھوں کا قابل تصور رنج و الم اور طعن و تشنیع کے تیر سے تھے ان کو بلا تردد و تہذیب "لا تشرب علیکم الیوم۔۔۔۔۔" کہہ کر تمام الزامات سے بری قرار دے دیتے ہیں۔ اور اس طرح قرآن کی آیت:

وَالْكَافِرِينَ الْغِیْظُ وَالْعَالِیْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران: ۱۴۲)

(اور انہیں کوئی جانے والے اور لوگوں کو معاف نہ کرنے والے) کے پوری طرح صدق ٹھہرتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ واقعہ جس انداز سے اس سورۃ میں بیان کیا گیا ہے مکی دور کے حالات پر بین السطور ایک طبع تبصرہ ہے اور دعوتی نقطہ نظر سے اپنے اندر بہت اہم پہلو لیے ہوئے ہے۔ دعوت حق کی مخالفت میں قریش مکہ کا رویہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے ساتھ برادران یوسف کے رویہ کی طرح جاہلانہ و کمالانہ قہر چنانچہ مخصوص انداز میں یہ واقعہ بیان کر کے پہلے ان پر یہ بات واضح کی گئی کہ آج ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی دعوت دے رہے ہیں وہ کوئی تجا نزل الہی نہیں بلکہ دینی دین الہی ہی ہے جس کی

دعوتِ یوسف علیہ السلام نے وہی تھی، پھر درج بالا طور کے مطابق وہ قسم کے کردار پیش کر کے چاہا گیا کہ انہیں کھول کر رکھ کر دین اسلام کو قبول کرنے والے اور آخرت کی جواب دہی کا احساس رکھنے والے دشمن کے "محسن بندوں" کا اخلاق و کردار کیسا پاکیزہ و جرات مند اور اس کے برعکس آبا و اجداد کے جاہلانہ و مشرکانہ دین پر جسے وہ اپنے والے آخرت سے بے پرواہ "تقلید اعلیٰ" پر مطمئن دنیا پرستیوں کا کیا انداز ہوتا ہے۔ خود ہی مقابلہ کر کے دیکھ لو! اب یہ اس دین کی حقانیت کا چٹا پھرتا ثبوت تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے "اس سے بڑا ثبوت و نصیحت حاصل نہ کرو گے تو اپنی بد انتہائی اور ذلت و رسوائی کے تم خود ہی ذمہ دار ہو گے۔

اس قصہ پر غور و فکر کرنے سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اللہ کی مشیت و منصوبے کے مقابلے میں انسانی تدبیریں اور منصوبے کامیاب نہیں ہو سکتے خواہ ان کے پس پشت کسی ہی طاقت اور کتنے ہی وسائل کیوں نہ ہوں۔ اللہ کے مشن کے خلاف اٹھنے والے انجرامِ کارِ ذلت و رسوائی سے ہی دوچار ہو کر رہتے ہیں۔ چاہے ابتداً وہی کئی پھوٹ اور صحت کو وہ اپنی کامیابی کیوں نہ سمجھیں۔ اس کے برعکس اللہ کے منصوبے اور مشن سے خود کو ہم آہنگ کر دینے والا پاک طینت مردِ مومن نادانی و سائل کے بغیر بھی اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کی قوت اور رب کی فیضی تائید و نصرت سے تنہا ملک و قوم کو سنبھال سکتا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا واقعہ جس مدلل و مؤثر انداز سے موعظت و نصیحت و حکمت سے بھرپور مسلسل و مربوط قصہ کی شکل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہوا وہ خود اس بات کا بین ثبوت تھا کہ قرآن وحیِ ربانی ہے اور نبی علیہ السلام اللہ کے پیچھے رسول ہیں۔ اب قبول حق کا وار و مدار اگر صرف دلیل ہی پر ہو تو دلیل آجائے پر تو اس کو مان لینا چاہیے لیکن جس طرح آفاق و انفس کے دلائل اور نبی کے معجزات کو انسانوں کی اکثریت جھٹلا دیتی ہے اسی طرح "ایام اللہ" یعنی تاریخی شواہد و دلائل کو بھی اکثر وہ مشرک لوگ جھٹلا دیا کرتے ہیں۔ اس کی بنیاد یہی وجہ یہ ہے کہ تقلیدِ اعلیٰ کا شکار انسانوں کی اکثریت شرک اکوہ ایمان کی حامل ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو مومن سمجھتی ہے اور پوری بہت و عمری سے اس پر جمی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ملاحظہ ہو:

○ وَمَا مِنْ أَكْثَرِهِمْ إِلَّا لَا يُعْقِلُونَ..... (یوسف ۱۰۶)

ترجمہ: "ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بھی ٹھہراتے ہیں۔"

اب اس قصہ کے اختتام پر نبی علیہ السلام کو اس بات کو واضح کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ پورے عزم و اجتہاد کے ساتھ اعلان کر دیں کہ آپ نے جس شعور و بصیرت کے ساتھ اس مشن کو سنبھالا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ دعوتِ حق میں ذرا بھی ہدایت نہ ہو اور منکرین حق و مشرکین سے بداعت کا اعلان کیا جائے چنانچہ فرمایا:

○ قُلْ هُنَّ لِي إِيْمَانِي وَالَّذِينَ آمَنُوا لِي فِي هَذِهِ أَسْمَاءُ فَمَا كَانَ عَلَيْكُمْ مِنْ عِلْمٍ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ..... (یوسف ۱۰۸)

ترجمہ: "تم ان سے کہہ دو کہ میرا دامن یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (پوری) بصیرت کے ساتھ اور میرے ساتھ

بھی "اور اللہ پاک ہے شرک کرتے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں"

اللہ کے نبی کا مشن اللہ کی طرف بلانا اور ایک اللہ کی بندگی کی دعوت و خطبے "وہ اس مشن کو پوری بصیرت کے ساتھ اختیار کرتا ہے نہ کہ تقلیدی طور پر" اور نبی کے متبعین بھی حق کو بصیرت کی نظر پر پاتے ہیں اور پورے شعور کے ساتھ "ویدان و برہان کی روشنی میں اس کو مان کر اس مقدس مشن کا ساتھ دیتے ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ اولوالالبصار جو اس پکار پر لبیک کہیں اور عزم و ہمت کے ساتھ اس قافلہ رہ حق کے ہم سفر بن جائیں اس راستانِ عزیمت میں ایسے ہی ہواں ہستوں کے لیے موعظت اور تربیت و تزکیہ کا سامان ہے۔

جاگنے کی راتیں

مفتی محمد امجد علی

اللہ تعالیٰ کے مخلص و متقی بندے جو پورے شعور کے ساتھ ایمان کا اقرار کر کے اپنے رب کی بندگی کا عزم کرتے ہیں، قرآن و سنت کی پابندی کے ساتھ ساتھ تقرب الہی کے لیے نوافل کا بھی اہتمام کرتے ہیں تاکہ قبولیت کے مخصوص اوقات میں بارگاہ رب العزت میں غلو و مغفرت کی خصوصی التجا کر سکیں۔ قرآن میں ان کے انداز بندگی اور مومنانہ اوصاف کا تذکرہ جگہ جگہ کیا گیا ہے۔ سورہ آل عمران میں فرمایا کہ وہ "صابرو صادق اور قانت و منفق" ہوتے ہیں اور ایک خصوصی صفت یہ بیان کی گئی کہ وہ "مستغفرین بالا صغار" یعنی رات کے پچھلے حصے میں استغفار کرنے والے ہوتے ہیں۔ (آل عمران ۷۷)

سورہ فرقان اور الم سجدہ میں ان کا ذکر بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ فرمایا گیا۔

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا..... (الفرقان ۲۳)

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا..... (الم سجدہ ۱۶)

یعنی ان کی راتیں بارگاہ رب ذوالجلال والا کرام میں قیام و سجدہ و بیڑی کرتے ہوئے گزرتی ہیں۔۔۔ ان کے پہلو آرام و بستر سے علیحدہ رہتے ہیں۔۔۔ "اب ظاہر ہے کہ رحمن کے ان صالح بندوں کا یہ عمل محض ایک یا دو راتوں کے لیے تو مخصوص نہیں ہوتا بلکہ وہ تو تمام سال "ذکر اللہ خالصاً ففاضلت عنہ" (تعالیٰ میں اللہ کی یاد ہو اور آنکھیں اٹکیاں) کا نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں چنانچہ ان کی تو ہر رات ہی جاگنے کی رات ہوتی ہے لیکن بلاشبہ کچھ مخصوص راتیں ایسی بھی ہیں جن میں قیام و رکوع و سجود کی فضیلت بہت زیادہ بتائی گئی ہے مثلاً "رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتیں جن کی فضیلت میں بے شمار صحیح روایات موجود ہیں اور ان راتوں میں پوری پوری رات جاگنے اور عبادت کرنے کی ترغیب و تاکید ملتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان کے علاوہ بھی ایسی فضیلت والی راتیں ہیں جن کا خصوصی اہتمام قرآن و حدیث سے ثابت ہو۔

ہر سال رجب و شعبان کے مہینوں میں کچھ ایسی راتیں آتی ہیں جب لوگوں کے دامنہ جوش و خروش کو دیکھ کر بعض سنجیدہ ذہنوں میں ان راتوں کی حیثیت کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ دراصل یہ حق کے حتمی دہی لوگ ہوا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل و فراست کو تحقیق حال کے لیے پوری طرح استعمال کرتے ہیں نہ کہ وہ اندھے لکیر کے فقیر جو ہر "مام اور ہر" کی بات کو بے دریغ قبول کر لیں۔ قرآن کی نظر میں یہ "مغلی" ہیں اور وہ "اولوالالباب" (الحد ۱۱) "دوسری جگہ ان کی نشاندہی اس طرح کی گئی ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا..... (الفرقان ۷۳)

(جب انھیں اپنے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر اندھے بھرے ہو کر نہیں گریختے)

یعنی اپنی عقل و فہم کو استعمال کر کے دیکھتے ہیں کہ مشرکانہ افعال و بدعات کی تائید میں پیش کی جانے والی آیات و روایات میں کیسی غلطی و معنوی تحریف تو نہیں کی گئی یا گھڑی ہوئی روایات و نام نہاد بزرگوں کے اقوال کو جو قرآن و حدیث سے مستحادم ہیں "احادیث" رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر پیش تو نہیں کر دیا گیا۔ اس علمی جائزے سے پہلے ذرا یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ ان راتوں میں جو کیا گیا ہے۔ ان راتوں میں عوام الناس جاگنے کا خاص اہتمام و احترام کرتے ہیں عبادت گاہوں کو سوپ سجایا جاتا ہے، وعظ کی محفلیں برپا ہوتی ہیں جن میں مقررین پورا زور بیان ان راتوں کی فضیلت و اہمیت بیان کرنے میں صرف کر رہے ہیں "اگلے دن روزہ بھی رکھا جاتا ہے اور اس کی بے انتہا فضیلت بیان کی جاتی ہے۔ ان مواقع پر ایسے پمفلٹ اور کتابچے بھی تقسیم کئے جاتے ہیں جن میں قرآن کی مخصوص سورہوں کے ساتھ تراویح اور اہل کی ترکیب و انداز سکھائے جاتے ہیں اور ان کے بہ شمار فوائد بیان کئے جاتے ہیں "ساتھ ہی دیگر انکاد و اشغال اور صلوٰۃ التہجد وغیرہ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ اخبارات بھی خصوصی ایڈیشن شائع کر کے اس "کارِ ثواب" میں پیش کر دیتے ہیں کہ حصہ لیتے ہیں جن میں ان مواقع کے مطابق "اہل علم" حضرات کے مشامین چھپتے ہیں۔ اگلے دن درس گاہیں بند رہتی ہیں۔ نہ جانے یہ قوم پڑھنے لکھنے اور کام کرنے سے کیوں جی چڑھتی ہے، فواہ جاتے کی کوئی ایسی رات آئے تو چھٹی، کسی کا یوم ولادت یا وفات ہو تو چھٹی، ہمارش ہو جائے تو چھٹی یا کوئی ایسی غیر معمولی بات ہو جائے تو چھٹی، حتیٰ کہ کسی بڑے کھیل میں کامیابی حاصل ہو تو بھی چھٹی۔ الغرض گروں ہر صورت میں تیجاری تعلیم ہی کی ہاتھ آتی ہے۔ جب تعلیم کو ایسی کئی گزری چیز سمجھ لیا جائے کہ آئے دن بات بات چھٹی ہوئی رہے تو پھر اصلاح قوم اور سعادت تعلیم کا تو میں اللہ ہی حافظ!۔ ایسا شوق دگلن پھر کہاں سے آئے کہ کتابوں میں سرکھپا کر تحقیق و جستجو کر کے حق بات کو تلاش کیا جائے

گلا تم گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کمان سے آئے عدا لا الہ الا اللہ

بہر حال "نامیدی پھر بھی مناسب نہیں" اصلاح احوال کی ضرورت کے پیش نظر حق کے متلاشیوں کو چراغ و کھانے کی معنی کے طور پر ضروری محسوس ہوا کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ان مروجہ مقدس باتوں کی حقیقت واضح کی جائے۔ ہر چند کہ ان مواقع پر اہل حق ہمیشہ ہی حقیقت حال کو بیان کرتے رہے ہیں لیکن ان کے اجتماعات کی تقریریں سب لوگوں تک نہیں پہنچ پاتیں اور بہت سے لوگ لاعلم اور آفتابہ جاتے ہیں چنانچہ اس مضمون کے ذریعے ایسے ہی لوگوں کی پیاس بجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ تحریر تقریر سے زیادہ مفید اور دیرپا اثرات کی حامل ہو سکتی ہے۔

شب معراج

یہ رات رب کی مجلسوں تکبیر کو معراج کے عظیم واقعہ کے حوالے سے ملانی جاتی ہے "جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ایک قلیل حصے میں بھڑکھڑکے بیت المقدس اور پھر وہاں سے سات آسمانوں میں ہوتے ہوئے سدرة المنتہی تک پہنچ کر اپنے رب سے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا۔ اس واقعہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح فرمایا:-

سبحن الذی اسرّی بعبدہ لعلّا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی دار کنا
حولہ لنسر بعدن آیت اللہ (ذی امر اہل)

(یا کہ ہے وہ ذات جو ایک رات اپنے بند کو مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ لے گئی جس کے گرد ہم نے برکت دی ہے تاکہ اسے ہم اپنی کچھ آغایاں دکھائیں)

سورہ نجم میں قاب قوسین و مددۃ الحسنیٰ وغیرہ کے ذکر کے بعد فرمایا۔

لقد رآی من آیت ربہ العکبرائی

(جنگ اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں)

صحیحہ حسین کی معراج والی روایت میں اس واقعہ کی کافی تفصیل بیان ہوئی ہے، مگر علیہ السلام نے تمام انبیاء علیہم السلام کی مسجد اقصیٰ میں ایک صلوٰۃ میں امامت فرمائی، وہاں سے جبرئیل علیہ السلام کی معیت میں براق کے ذریعے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ آسمانوں پر مختلف انبیاء سے ملاقات کی یہاں تک کہ مددۃ الحسنیٰ (غیرہ کے درجہ) تک پہنچے، یا حج وقت کی صلوٰۃ فرض ہوئی وغیرہ وغیرہ (مشکوٰۃ باب معراج) مسلم کی کتاب الایمان اور بخاری کی کتاب التفسیر میں مویٰ احادیث سے اس مسئلہ کی کئی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس موقع پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو بھی دیکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو (یہ کہنا کہ نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے) قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ یہ عظیم رات آج سے تقریباً چودہ سو اٹھارہ (۱۳۱۸) سال قبل واقع ہو چکی، اب ہر سال تو چھیسیوں (۳۶) رجب کو رات نہیں آتی۔ احادیث و آثار صحابہ سے بھی ایسی کوئی بات ثابت نہیں کہ ہر سال اس رات کی یاد سنائی گئی، مساجد کو پہلایا گیا، چراغاں ہوا، شب بیداری کی گئی اور اگلے دن روزہ بھی رکھا گیا۔ ماہ رجب زمانہ جاہلیت سے اشھر حرام میں شامل ہے، یعنی ایسے مہینے جس میں عرب قبائل جنگ و جدال سے دور رہتے اور زیارت کعبہ کرتے۔ اس سے زیادہ کوئی فضیلت ماہ رجب کی ثابت نہیں۔ ایسی تمام روایات بے اصل ہیں جن میں رجب کو اللہ کا مہینہ بتایا گیا ہے، اس کے سات روزوں پر جہنم کے ساتوں دروازے بند اور آٹھ روزوں پر جنت کے آٹھوں دروازے کھل جانے کی خوشخبری دی گئی ہے، مگر عجمیوں کے روزے کا ثواب تین ہزار اور چودھویں کا دس ہزار سال کے روزوں کے برابر بتایا گیا ہے، کسی ایک دن کے روزے کا ثواب ایک ہزار برس کے روزوں کے برابر بتایا گیا، ایک رات کی شب بیداری ایک سال کی عبادت کے برابر بتائی گئی ہے، نیکیوں اور گناہوں کا بدلہ دو گنا دینے کی بات کی گئی ہے، جنت کا ایک دروازہ رجب کے روزے رکھنے والوں کے لیے مخصوص بتایا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ دراصل ان میں سے اکثر فضائل تو صحیح احادیث میں رمضان کے روزوں سے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ ابو داؤد نے کتاب الصوم میں فضلی روزوں کے باب میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول رجب کے روزوں کے بارے میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ میں اتنے روزے رکھتے ہم کہتے کہ اب آپ افطار (یعنی ٹانڈ) ہی نہ کریں گے اور کبھی رکھنا چھوڑ دیتے تو اس قدر کہ ہم کہتے کہ اب آپ روزہ نہ رکھیں گے۔ ابن ماجہ نے بھی کتاب الصوم میں یہ روایت نقل کی ہے لیکن اس میں مہینے کا ذکر نہیں ہے۔ ابن عباسؓ کی مذکور بالا روایت کے الفاظ بعید بخاری و مسلم نے عافشر رضی اللہ عنہما سے شعبان کے لیے نقل کئے ہیں۔

اس رات میں مختلف بدعات کے ساتھ گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم و اہانت باری تعالیٰ کے مجیب لڑوہ خیر منا ظہر دیکھنے میں آتے ہیں مثلاً "بعض بیٹوں پر پورے کھٹے نظر آتے ہیں، شاہ دولہا بتا کرتی رات ہے۔" کس قدر خفیع و قبیح، مکروہ و گھناؤنا کلام ہے یہ! معاذ اللہ! (نقل کفر نہ باشد) کیا یہ گستاخ، اپنی جانوں پر بے پایاں ظلم کے مرتکب یہ کہنے کی جسارت کر رہے ہیں کہ نبی کی اپنے رب کی طرف معراج گویا ان کے نزدیک دولہا کا وصال کے ہاں جانا ہے! استغفر اللہ العظیم و نفوز بہ من الشیطن الرجیم۔ اس رات سے کچھ روز پہلے یعنی ۲۲ رجب کو جمعہ صلوٰۃ کے نام کے کوٹڑے بھی بھرے جاتے ہیں اور ان کا ایک اللہ تعالیٰ نے قرآن میں چار جگہ غیر اللہ کے نام کی نذر کو حرام قرار دیا ہے (البقرہ ۳۵، المائدہ ۳، الانعام ۱۳۶، النحل ۱۵۵) چنانچہ قرآن و حدیث کی برو سے غیر اللہ کی نذر و نیاز شریک اور اور اس کا گناہ حرام ہے۔ اب یہ کہنے والے اس کی وجہ کچھ بھی بتائیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۲۲ رجب کو صحابی رسول (جو کاتب وحی بھی رہے) لا حلیفۃ

المسلمین معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی جس کی خوشی میں ان کے مخالفین نے میٹھی نکلیاں تقسیم کیں اور بنو امیہ کے حکمران کے خوف سے غصہ طور سے پکائی اور کھائی گئیں۔ بنو امیہ کے دشمن شیعہ لوگ آج بھی ہر سال اس دن خوشیاں مناتے ہیں "نیا قمیج کرتے ہیں اور سنی فرقہ کے افراد بھی بلا طمی میں ان کی اتباع کرتے ہوئے ایک صحابی رسول کی وفات پر خوشیاں مناتے ہیں۔

شب براءت

چودہ (۱۴) شعبان کو شب براءت منانے والوں میں شیعہ سنی (بریلوی، دیوبندی) وغیرہ تقریباً "سب ہی شامل ہیں" اور اس رات کا سب سے زیادہ اہتمام ہوتا ہے چنانچہ براءت کا ارتکاب بھی زیادہ ہی ہوتا ہے۔ حتم تفریق یہ ہے کہ ان کے ثبوت دجواز کے لیے آیات قرآنی و احادیث میں تحریف کی جاتی ہے "وہی کام کیا جاتا ہے جس پر یہودیوں کی پکڑ کی گئی ہے یعنی

...وحر قوی الکلم عن مواضع... الحج (الحجۃ ۱۳۷)

(کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیتے ہیں)

یہ اپنی ایجاد کرمہ شب براءت کے تقدس اور اس کی اہمیت کے ثبوت کے لیے سورہ خان کی آیات جن کا صریحاً "اطلاقاً" لیلۃ القدر پر ہوتا ہے "ان کو من گھڑت روایات کی بنیاد پر شب براءت پر چسپاں کیا جاتا ہے اور پھر اس باطل موقف و نظریے کی تائید و اشاعت کے لیے مضامین و کتابچے چھاپے اور تقسیم کئے جاتے ہیں جن میں مختلف فضائل بنا کر لوگوں کو خلاف سنت کامیوں پر اکسایا جاتا ہے۔ یہاں بطور نمونہ ۵ جنوری ۱۹۹۹ء کے روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہونے والے والے مولوی تھانوی اور صوفی بیلائی کے مضامین اور الیاس قادری کے کتابچہ پرائے شعبان بعنوان "جنتی اونٹنی" پر کچھ تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔

مولوی موصوف نے اپنے مضمون میں ترمذی کی ایک روایت (جس کی حیثیت آگے بیان کی جائے گی) کے علاوہ کسی روایت کا کوئی حوالہ نہیں دیا اور بے سند و اصل روایتوں کی بنیاد پر شب براءت کی فضیلت کا طواریحاً دہرایا۔ اور وہ حوالہ لاتے بھی کہاں سے "اس رات کا تو صحیح احادیث میں کوئی تذکرہ ہی نہیں" البتہ موصوف کی کتابوں میں اس کا ذکر ضرور ملتا ہے جو اسی طرح کے کذب و افتراء سے بھری ہوئی ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ اس رات کو لیلۃ البراءۃ "لیلۃ العیال" کہہ "لیلۃ القدر" جمعہ اور لیلۃ الصبر کہا جاتا ہے۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ جناب کسی صحیح حدیث میں تو ایسی کسی رات کا ذکر نہیں جس کے یہ نام ہوں۔ دراصل شب براءت ہی کو مغرب کر کے یہ کارنامہ انجام دیا گیا ہے ورنہ عرب ممالک میں تو اس کا وجود تھا "اس کی تو جہم بھوی مجوسیوں کا ملک فارس تھا اور انہوں نے بنو عباس کے دور میں اقتدار پر تسلط حاصل کرنے کے بعد اپنے قدیم آتش پرستان عقائد و رسوم کو kharano کرنے یعنی اسلامی بنانے کی کوشش کی تھی اور اس رات آتش بازی کر کے انہوں نے اپنی ویران خواہش بھی پوری کر لی۔ آتش بازی ایسا شیطانی مہموم فعل ہے کہ تمام حلیم و القہر افراد اس کی مذمت کرتے ہیں لیکن یہ ایرانی مجوسی جنہوں نے اسلام کا لہارہ اونٹھ کر ایک طبعہ فرقہ بنا لیا ہے "اس فعل شنیع میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ یہ لوگ اس دن اپنے خود ساختہ یار محو میں امام کی پیدائش کا جشن مناتے ہیں کراچی میں فیروز جیٹی (Naveed Jatty) کے پل پر اس رات اس فرقے کے لوگوں کا اڑدھام ہوتا ہے "وہ کاندھ کی پرچیوں پر اپنی عرصیاں لکھ کر آگے میں لپیٹ کر سمندر میں ڈال دیتے ہیں جو ان کے مزہم و عفا کے مطابق اس روپوش امام تک پہنچ جاتی ہیں اور وہ گویا ان کی مرادوں کو پورا کر دیتے ہیں۔ کیا یہ زمین کے نام پر توہم پرستی کی بدترین شکل نہیں؟

انگریز مولوی موصوف نے اس رات میں جاگتے اور عبادت کرنے کو سنت قرار دیا اور فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم نقل کیا کہ "اس رات جس نے اللہ کی عبادت کی "دربار الہی میں اس کی ہر دعا قبول ہوتی ہے خواہ وہ اپنی بلندی اور وسعتوں کے اعتبار سے پہاڑوں کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔" غور فرمائیے کہ صحابہ کرام بطور نیکی کے حرم میں تھے ایسے قیمتی موقعہ کو کس طرح ضائع کر سکتے تھے! لیکن کسی ایک صحیح روایت

ہیں یہ نہیں ملتا کہ صحابہ میں سے کسی نے اس رات شب بیداری کی ہو اور رات بھر عبادت کرتے رہے ہوں۔ موصوف رقمطراز ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”اَقْوَمَ اَشْهُارَ شَهْرَانَ كِيْ بِدْرَ حَمِيْمٍ شَبَّ كُوْ كِيْوَ تَكْ يَلْقَى طَوْرَ بِرٍ رَّاتٍ مَّبَارَكٍ هِيَ۔ اس میں رحمت الہی صبح تک آسمان

دنیا پر جلوہ گر ہو کر یہ صدا دیتی ہے کہ کوئی ہے اس جنس کا خریدار جو دامن پھیلائے اور سراووں سے بھر کر لے

جائے جو نہ امت کے آسو ہائے اور صلہ میں گم ہائے رحمت حاصل کرے جو بیماری سے نجات کا طلب گار ہو اور

شفایاب ہو جو آسودہ حالی کا معنی اور رزق میں کشادگی اور برکتوں سے ہمہ ور ہو۔“

آگے جا کر یہی قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے تھوڑے فرق کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا۔ صوفی جیلانی اپنے مضمون میں اس موقع کے متعلق لکھتے ہیں:-

”شبِ برات میں اللہ تعالیٰ آسمان و دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اس کی رحمت و امح کی چادر ساری دنیا پر چھا جاتی

ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی بندہ نوازی کی نشان دہی کے ساتھ اعلان فرماتا ہے کہ کوئی مغفرت چاہے والا گناہ دہندہ کہ

میں اس کے گناہ معاف کر دوں؟ ہے کوئی رزق کا طلب گار بندہ کہ میں اسے رزق و روزی عطا کر دوں؟ ہے کوئی

مہیبت اور پریشانی میں مبتلا کوئی بندہ کہ میں اسے راحت و صحت اور عافیت عطا کر دوں؟۔ اللہ تعالیٰ کے ایسے ہی

خطبات رحمت سے بندے اس رات سہر قراؤں گے جاتے ہیں یہاں تک کہ سحر طلوع ہو جاتی ہے۔“

اس کے برعکس صحیح احادیث سے تو ثابت ہے کہ یہ صورت حال سال میں کسی ایک رات کے لیے مخصوص نہیں بلکہ ہر رات کے آخری

حصہ میں اللہ تعالیٰ کے آسمان و دنیا پر نزول اور دعاؤں کی قبولیت کی متبرک ساعت کا ذکر روایات میں موجود ہے۔ اس سلسلہ میں پوری روایت ملاحظہ ہونے۔

”وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یُنْزِلُ رِیْضًا تَبَارَکَ کُوْنُ تَعَالٰی

کُلَّ لَیْلَةٍ اِلٰی السَّمَاءِ الدُّنْیَا حِیْنَ یَبْقٰی ثَلَاثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ یَقُوْلُ مَنْ یَدْعُوْنِیْ

فَاَسْتَجِیْبُ لَہٗ مَنْ یَسْأَلُنِیْ فَاَعْطِیْہٖ مَنْ یَسْتَغْفِرُنِیْ فَاَغْفِرُ لَہٗ۔“ (مشق علیہ)

ترجمہ :- (ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا رب تبارک و تعالیٰ آسمان و دنیا پر

ہر رات نزول فرماتا ہے جبکہ باقی رات ہی ہے ایک تہائی رات اور فرماتا ہے ”کوئی ہے جو دعا کرے کہ میں اس کی دعا

قبول کروں جو مجھ سے مانگے میں اسے عطا کروں کوئی مجھ سے مغفرت چاہے اور میں اس معاف کر دوں۔“

غور فرمائیے جن روایات کی بنیاد پر اس رات کی فضیلت کی عمارت استوار کی گئی تھی ان کو تو بخاری و مسلم کی روایت نے بے حیثیت

ثابت کر دیا اس کے علاوہ ایک روایت میں اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی نقل کیا گیا ہے کہ:-

”یہ بہت ہی مبارک مہینہ رجب اور رمضان کے درمیان واقع ہوا ہے جس سے لوگ غافل ہیں۔ اس ماہ میں

انسانوں کے اعمال کو رب جلیل کے حضور پیش کیا جاتا ہے لہذا میں اس ماہ کو بے حد محبوب رکھتا ہوں تاکہ میرے

اعمال میرے رب کے سامنے پیش ہوں تو اس وقت مجھے روزہ سے ہونا چاہیے۔“

یہ روایت بھی صحاح میں نہیں ملتی بلکہ یہ صحیح روایات کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش ہونے کا ذکر خصوصیت کے

ساتھ شبِ برات میں نہیں بلکہ ہر روز اور جمعرات کو ملتا ہے (مسلم) چنانچہ ان دونوں میں نبی علیہ السلام روزہ رکھتے اور فرماتے کہ ”اے

وہوں میں اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال پیش ہوں تو میں روزے سے ہوں۔“ (ترمذی)

اس روایت میں میتے اور دن کا کوئی ذکر نہیں اور اس کے ساتھ کی دوسری روایتوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ قبرستان جانے کے لیے پندرہویں شعبان کی کوئی تخصیص نہیں۔ مقام غور ہے کہ قرآن اور صحیح احادیث نے مشرکان و عتقاد و افعال کا قطعی سد باب کر دیا تھا لیکن ان مفاد پرست احباب و رحبان نے ضعیف و منکر روایات کی بنیاد پر ان کو جاری کر دینے کی محم زور شور سے شروع کر رکھی ہے۔ بدعات و خرافات کو دین کا جزو لایفک بنا دیا ہے۔ قبرستان میں جا کر قبروں پر پھول، کیوڑہ، خوشبو، چھڑکنا، چادر چڑھانا، چرخاں کرنا، اس قسم کے جاہلانہ و مشرکانہ کاموں کو شعائر اسلام سمجھا جانے لگا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قبروں پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے (بخاری، کتاب الجنائز)۔ قبریں عبادت کی نہیں مہرت کی جگہ ہیں۔ ان کی زیارت کی اجازت اس لیے دی گئی ہے کہ انسان کو آخرت کا احساس ہو جائے فرمایا کہ "فانہا ترہد فی الدنیا و تذکر الاخرۃ" (یہ دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی اور آخرت یاد دلاتی ہے) (ترمذی)۔ کتاب الجنائز) دوسری جگہ آپ نے فرمایا "انہا تذکر الموت" یعنی یہ (قبرستان جانا) موت یاد دلاتا ہے۔ (مسلم، کتاب الجنائز) اب ظاہر ہے کہ یہ مقصد خوشبو، معطر پھولوں سے لدے ہوئے روشنی سے معمور فن تعمیر کے مرمرین شاہکاروں پر دن و رات کے جم غفیر کی موجودگی میں تو حاصل ہونے سے رہا ہے تو بے گل و بے چراغ انسان کی قبروں سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے کسی مسلم کی قبر کی خصوصیت نہیں بلکہ مہرت کے لیے کسی مشرک کی ویران قبر پر بھی جاسکتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم، نسائی و ابن ماجہ وغیرہ کتاب الجنائز میں ابو ہریرہؓ سے روایت لائے ہیں اور نسائی و ابن ماجہ نے اس پر باب قائم کیا ہے یعنی مشرکوں کی قبروں کی زیارت کا باب۔ اس روایت میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر پر گئے تو رونے لگے اور جو صحابہ آپ کے ساتھ تھے وہ بھی رونے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے دہ سے ماں کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی، اس کی اجازت نہ ملی (کیونکہ مشرک کے لیے دعائے مغفرت کرنا جائز نہیں) پھر میں نے ان کی قبر پر جانے کی اجازت مانگی تو اس کی اجازت مل گئی۔ میں تم بھی قبروں پر جایا کرو اس لیے کہ یہ موت یاد دلاتی ہے۔" احادیث صحیحہ کے برعکس آج کل جو کچھ اس روایت میں کیا جاتا ہے یہ اہتمام تو قرآن اولیٰ میں کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت قبریں بنائے اور ان پر گتھ و غیرہ تعمیر کئے (اس کو زیب و زینت دینے) اور وہاں (چلو دین کر) بیٹھنے سے شدت سے منع فرمایا ہے اور آپ تو کئی قبروں کو زمین کے برابر کر دینے کا حکم دیتے تھے (ترمذی، مسلم، کتاب الجنائز) علاوہ ازیں موصوف نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ نبی علیہ السلام اس موقع پر یہ دعائیں پڑھتے تھے۔

"اللہم انی استودعک هذا کفن من سخطک۔"

اور یہ دعا بھی "اللہم اذالمین ولا یمن علیہ۔"

احادیث صحیحہ میں اس موقع کے لیے تو ان دعاؤں کا ذکر نہیں ملتا البتہ اول الذکر دعا وقر کے آخر میں پڑھنے کی روایت موجود ہے (ابوداؤد، کتاب السنن)۔ اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا یہ ہے کہ آپ نے جو عمل جس موقعہ محل کے لیے مخصوص کیا ہے اس میں ذرا بھی رد و بدل نہ کیا جائے اور یہ بھی یاد رہے کہ اتباع سنت رسول ہی حب رسول کی بنیاد ہے۔

محب ستم ظریفی ہے کہ الیاسی قادری صاحب نے اپنے کتابچے میں صوفیوں کی کتابوں "نزیۃ الخیالین"، "غنیۃ الصالحین"، "انفیس الواصلین" وغیرہ کے حوالے سے بھولی باتوں کا طومار باندھ دیا ہے۔ موصوف نے پندرہویں شعبان کے روزے کی فضیلت یہ بتائی ہے کہ روزہ کی آگ دیکھنے کی۔ ورنہ بالا احادیث میں تو اتنا ہی ملتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہر ماہ ایام بیض (تہہ) چودہ پندرہ کے روزے رکھنے کی ترغیب دی ہے لیکن کسی بھی حدیث سے پندرہویں شعبان کے روزے کی تخصیص نہیں ملتی اگر یہ نبی علیہ السلام کی سنت ہوتا تو صحابہؓ فائق و شوق سے روزہ رکھتے

اور کثرت روایات میں اس کا ذکر ہوتا۔ ثابت ہوا کہ اس مخصوص دن کا روزہ یقیناً بعد کی ایجاد ہے اور یہ خالص بدعت ہے۔

مزید ملاحظہ ہو، صوفی بیلائی اور الیاس قادری دونوں صاحبان نے اپنی تحریروں میں اس دن مغرب کے بعد چھ نفل پڑھنا روایت کیا ہے اور ہر دو رکعت کے بعد ایک مرتبہ سورہ یسین اور اکیس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنے کی تلقین کی ہے اور اس کی غرض و غایت یہ بیان کی ہے کہ پہلی دو رکعت درازی عمر کے لیے پڑھی جائیں اور مری و کثافتی دوزخ کے لیے اور آخری دو دفعہ ہدایت کے لیے اور اس مضمون کو قادری صاحب نے اولیاء اللہ کی سنت قرار دیا ہے۔ قرآن کی نظر میں تو اولیاء اللہ صرف اور صرف وہ ہیں جو "الذین امنوا و عملوا الصالحات" یعنی جو ایمان و تقویٰ کی جوہری صفات کے حامل ہوں (سورہ نساء ۶۹)۔ اس کسوٹی پر پورے اترنے والوں میں بلاشبہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اعلیٰ ترین مراتب و درجات کے حامل ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک کا بھی اس طرح کا عمل صحیح احادیث سے ثابت نہیں۔ دراصل یہ ان صوفیاء کا ہی ایجاد کردہ طریقہ ہے جن کو قرآن و صحیح احادیث سے دور کا بھی تعلق نہیں بلکہ ان کا تمام تر موقف و مسلک قرآن و حدیث سے متصادم ہے اور یہ بحث کفر و بدعت حق کی علمبردار رہے ہیں۔

کتابچے کے آخر میں قادری صاحب فرماتے ہیں۔

"الحمد لله رب العالمین علیٰ عتق کاسالمنا سال سے شب براءت میں چھ نوافل ادا کرنے کا معمول ہے۔"

یہ بات درج بالا مضمون میں واضح کر دی گئی ہے کہ اس رات میں خصوصی طور پر چھ نوافل پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت نہیں نیز اوامین کے نام سے روزانہ مغرب کے بعد پڑھے جانے والے چھ نوافل والی روایت کی بھی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ قندلی نے کتاب الصلوۃ میں اس روایت کو لا کر روایت کے آخر میں یہ بتا دیا کہ اس کے ایک راوی عمر بن ابی شعمہ کو بخاری منکر الحدیث اور بہت ضعیف قرار دیتے ہیں ضعیف اور منکر روایات کو عقیدہ و اعمال کی بنیاد بنانا ناقص و نقصانی نہیں۔ یہاں ختمنا یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کو اپنے لئے بڑے القاب نہیں اختیار کرنے چاہئیں، ایسا کرنے سے رب ذو الجلال نے منع فرمایا ہے۔

"ولا تسموا بالالقاب۔۔۔" (الحجرات ۱۳) (بڑے لقب نہ دیا کرو۔۔۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اور ناپسندیدہ نام کو اپنے نام سے بدل دیتے تھے۔ اشرف المخلوقات انسان کا اپنے آپ کو سنگ یا کلب (کتا) کہنا نہ صرف ناجائز و حرام بلکہ انتہائی درجہ کافری و فسق و فحش ہے خواہ یہ انتہائی محبت و عقیدت کے جذبہ سے ہی کیوں نہ کیا جائے۔ محبت و عقیدت میں غلو ہی انسان کو کفر و شرک کے گڑھے میں گراتا ہے، العباد باللہ! کتنا تو اتنی ہی ہے خواہ وہ کد کا ہو یا مدینہ کا۔ حق علیہ السلام کا فرمان یاد رہے، آپ نے فرمایا:

"جس گھر میں کتابیا تصور میں ہوں اس گھر میں فرشتے نہیں آتے" (بخاری و مسلم)

صحیح مسلم کی ایک روایت ان عقیدت مندوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے، ملاحظہ ہو۔

"ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش و متکلمین تھے پھر آپ نے فرمایا "آج کی رات مجھ سے جبرئیل نے ملاقات کا وعدہ کیا تھا لیکن مجھ سے ملاقات نہیں کی۔ اللہ کی قسم! جبرئیل نے کبھی مجھ سے وعدہ غلامی نہیں کی۔" پھر آپ کے دل میں کہتے کہ اس بچے کا خیال آیا جو آپ کے خیمہ کے نیچے پڑا تھا، آپ نے اس کو باہر نکال دینے کا حکم دیا چنانچہ اس کو نکال دیا گیا۔ پھر آپ نے پانی لیا اور جہاں وہ بچہ بیٹھا تھا اس جگہ پر چھڑکا۔ پھر شبِ شام ہوئی تو جبرئیل نے آپ سے ملاقات کی، آپ نے ان سے فرمایا کہ "کل رات آپ نے مجھ سے ملاقات کا وعدہ فرمایا تھا۔ جبرئیل نے کہا کہ ہاں، لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوئے جس میں کتابیا تصور میں ہوں۔" دوسرے روز صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مار ڈالنے کا

حکم دیا حتی کہ چھوٹے پانچوں کے کتوں کو بھی مار ڈالنے کا حکم دیا اور بڑے پانچوں کے کتوں کو چھوڑ دیا۔ (مسلم)

کیسی ستم خیزی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مخلوق کو مہربانہ والا اور مدد کی بستی کو اس کی نجات سے پاک صاف کر دیا یہ اسی کے نام کو اپنا کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ یا لفاظہ دیگر اللہ اور اس کے رسول کی فطرت میں جو مخلوق اس قدر نجس و پلید ہے کیا وہ ان کی نظر میں اتنی قابل احترام ہے کہ کوئی تو اپنا نام کلب علی رکھتا ہے اور کوئی سنگ مدینہ؟ یہ اللہ اور اس کے رسول اور ولیوں سے حب و محبت کی علامت نہیں بلکہ ان سے صریح بغض و عناد ہے۔ العیاذ باللہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم پر خلق فرما کر اشراف المخلوقات بنایا۔ یہ بلاشبہ رب ذوالجلال کا عظیم احسان ہے، لیکن اس ناقدر نے اور ناشکرے انسان نے اپنے آپ کو کتنا بتا کر "مفل السالکین" قرار دے دیا۔ اپنے عظیم و کریم رب کی نعمت کا کیسا کفران کیا ہے اس ناشکرے انسان نے "حیف صمدی"۔

تھانوی و قادری صاحبان نے اپنے مضامین میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس رات میں وہ سارے واقعات لکھ دیئے جاتے ہیں جو آئندہ سال ظہور پذیر ہونے والے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے اکابرین کے غلط موقف و عقیدے کی تائید کی ہے جس کی بناء پر عوام میں مشہور گردیا گیا ہے کہ اس رات اللہ تعالیٰ آئندہ سال کا بجٹ بتاتا ہے اور اس سال ہر ایک کی پیدائش و موت اور اس رات سے آئندہ رات تک کے جملہ احوال و معاملات طے کئے جاتے ہیں۔ اس کے ثبوت کے لیے سورہ وغان کی ابتدائی آیات پیش کی ہیں۔

ان انزلنا فی لیلة مبارکہ۔۔۔ الخ

ترجمہ : "ہم نے اسے ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے۔ یہاں ہم اپنے بندوں کو (ان کی غلطیوں پر) ڈرانے والے ہیں اس میں تمام حکمت کے کام کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔"

ان کے باطل نظریے کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جائزہ لینے سے قبل یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ خالق کائنات نے اس کی تخلیق سے ہزاروں سال قبل وہ تمام امور طے کر دیئے جو آئندہ ظہور پذیر ہونے والے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ لا تبدل فی کلمات اللہ اس کی باتیں یہ لاشعیر کر تیں کہ ہاں اگر اس کا یہ مفہوم لیا جائے کہ ایک سال کے احکام و معاملات لوح محفوظ سے لے کر فرشتوں کے اے کر دیئے جاتے ہیں تو پھر یہ بات وضاحت طلب ہوگی کہ وہ کون سی رات ہے؟ سورہ وغان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس رات کو ایک مبارک رات میں نازل فرمایا ہے اس میں ہر حکمت والا کام بانٹ دیا جاتا ہے (یا فیصلہ کر دیا جاتا ہے)۔ (الذخاں: ۳۳) اور یہ حساب رب کی طرف سے رحمت ہے (الذخاں: ۳۴)۔ کئی ہی میں نازل ہونے والی سورۃ القدر میں بھی اس رات کی یہی خصوصیات بتا کر کہ "لیلة القدر" کا نام دیا۔ اس سورۃ میں فرمایا "ہم نے اس (قرآن) کو لیلة القدر میں نازل کیا" ہے۔ آگے جا کر بتایا کہ "اس میں کہ اور روح الامین کا تمام امور (کے فیصلوں) کے ساتھ نازل ہوتا ہے اور طلوع فجر تک یہ رحمت و ملامتی کی رات ہے۔ قرآن کی ان آیات میں یہ تو ثابت کر دیا کہ "لیلة القدر" اور "لیلة مبارک" دراصل ایک ہی رات ہے جس میں قرآن کا نزول ہوا لیکن مبینہ طور پر ان آیات میں تعین نہیں کیا گیا۔ ہجرت کے تقریباً دو سال بعد جب صیام رمضان فرض کئے گئے تو سورۃ البقرہ کی آیت صوم میں اس کی بھی وضاحت ہو گئی۔ چنانچہ فرمایا:

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔۔۔ (البقرہ: ۱۸۵)

ترجمہ : ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔۔۔

اس طرح قرآن ہی میں یہ اہم وضاحت فرما کر اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی قیاس آرائی کا راستہ بند کر دیا۔ ثابت ہو گیا کہ نزول قرآن والی مقدس و بابرکت رات (لیلة القدر یا لیلة المبارک) رمضان المبارک میں ہوتی ہے۔ پھر صحیح احادیث میں نبی علیہ السلام نے رمضان کی ہجرت کی اس مقدس و بابرکت رات کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اس طرح بات صاف ہو گئی۔

اب قرآن کی محکم و صریح آیات اور احادیث صحیحہ کے مقابلے میں بلا سند روایات کے سارے شعبان کی چند راتوں کو "سبکۃ الہیاد" کے قرار سے گزرتے ہر رات کے لیے جیاد و فراہم کرنا اور اس میں کی جانے والی بدعات و خرافات کے لیے رات بھر اور اگر باقی جہالت اور ہندو جہمی ہے اور آیات قرآنی کا انکار!

ان رات کے اشغال میں بدنامت صلوٰۃ التبیح پڑھنے کا خصوصی اہتمام بھی شامل ہے۔ نیز القرون (صحابہ) تابعین اور تاج تابعین کے احوال میں بدنامت کے ساتھ صلوٰۃ التبیح اور گزرتے کی کوئی روایت نہیں ملتی بلکہ انفرادی طور سے بھی یہ عمل مقلوکہ حیثیت رکھتا ہے۔ سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو روزانہ ایک مرتبہ یہ صلوٰۃ اور گزرتے کی تعلیم فرمائی اور کہا کہ اگر روزانہ پڑھ سکیں تو ہر جمعہ کو ادا کریں یہ بھی نہ کر سکیں تو ہر مہینہ میں ایک مرتبہ یا سال میں ایک مرتبہ ورنہ کم از کم عمر بھر میں ایک بار ہی ادا کر لیں۔ اس کی تفصیل یہ بتائی کہ اس سے اگلے پچھلے آیتوں کے لیے "عمر" "سوا" "تیمم" کے لیے "پا شہدہ" "تلاویہ" سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو اوہ روایت کے ذرات کے برابر ہی نہیں رہتے۔

صلوٰۃ التبیح کی روایت سند کے لحاظ سے سب حد مقلوکہ حیثیت رکھتی ہے اور احمد حدیث کو اس کی سند میں سخت زکام ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں "ان صحیح الحدیث فان فی القلب من ہذا لا سند و شکیا" یعنی اگر یہ صحیح بھی ہو جائے تو بھی اس کی سند کے بارے میں دل میں غلیظان باقی رہ جاتا ہے۔ ابن جریر نے اس کو بدنامت میں شمار کرتے ہیں۔ ترمذی نے اس کو ابو داؤد کی سند سے عرب کہا ہے اور آگے چل کر بتایا ہے کہ صلوٰۃ التبیح سے متعلق کئی روایات ہیں جن میں سے اکثر صحیح نہیں۔ اس کے قیمن طریق میں ابوالفضل ضعیف ہیں اور ایک ابن عباس ذوالا طریق صحیح ہے لیکن اس میں بھی ابی بن عبد العزیز بعض کے نزدیک مجہول ہے۔ یہ تو رہا سند کا معاملہ۔ اب ذرا عقربہ نگاہ لیں تو یہ روایت ایک عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ ہر روز سے لے کر عمر میں صرف ایک مرتبہ کر لینے تک کی چھٹ اور عمر میں صرف ایک مرتبہ صلوٰۃ التبیح اور گزرتے سے اگلے پچھلے عمر بھر کے سارے ہی گناہ معاف ہو جائیں تو واقعی وہ یوں یا مقصورہ عمر یا "یوں یا سوا" وغیرہ پھر تو صلوٰۃ خمسہ کی بھی اس کی آگے کوئی حیثیت نہ رہی اور اس کا ایک یہ نقل ہے اور وہ صلوٰۃ ملوہ یعنی فرض نماز ہے اور کسی حالت میں بھی معاف نہیں (سوائے عورت کو ایام کی حالت میں) یہ بات بھی کچھ عجیب معلوم ہوتی ہے کہ عمر بھر میں ایک دفعہ گزرتے سے گناہ بڑا اچھل جائے تو روزانہ مشکل میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ لہذا فرض و روایت کے اصول پر تو یہ اور بھی زیادہ بے حیثیت ثابت ہوتی ہے۔ اس رات میں ایک ریت یہ بھی پڑ گئی ہے کہ بعض مساجد میں پہلے مسنونوں کے انداز میں سب مل کر "ہو" "ہا" کی طرحیں لگاتے ہیں پھر روشنی بند کر کے اجتماعی طور سے اصرار کے ساتھ دعائیں مانگتے ہیں۔ قرون اونی میں اس طرز عمل کا قطعی تقدان ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس رویہ کا رد انہ خصوصاً انداز اختیار کرنے کی اجازت تو خیر کیا وہ یہاں تو ہمیں ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کی بھی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اے بارش کی دعا (صلوٰۃ استسقاء میں) اب بخاری کی کتاب الاستسقاء کی آیتوں کی روایت تو حدیث کا مطالعہ کرنے والوں کی نظر سے یقیناً گزری ہوگی۔ اس حال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شب و روز کے معمولات کا مطالعہ کرنے والے آپ کے حاکم خاص انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دعا کے لیے ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے تھے مگر استسقاء میں اور اس میں اسنے اٹھائے کہ آپ کی نظر کی سفیدی نظر آنے لگتی۔ اس روایت کے بعد تو (بارش کے علاوہ) اجتماعی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا قطعاً کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ اور صلوٰۃ میں سلام پھیرنے کے بعد اقراوی دعائیں ہاتھ اٹھانے کی بھی کوئی صحیح روایت نہیں ملتی۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس رات ایک فرقہ سے مسلک لوگ اپنی مساجد میں جہاں گزرتے ہیں "یہ امر قابل مذمت ہے کہ اکثر مقامات پر بجلی کے آمون میں تار لگا کر اور راست بجلی ماحول کی جاتی ہے اور شاید اس حرام و ناجائز کام کو کاروبار خیال کیا جاتا ہے "افسوس صد افسوس" گزرتوں میں چراغ و موسم بتیاں جلاتے ہیں۔ انواع و اقسام کے کھانے، حلوے وغیرہ پکاتے اور تقسیم کئے جاتے ہیں مسور کی وال کے ساتھ سارا اور ہر گناہی اہتمام ہوتا ہے اور یہ تمام کام حدیث

سمجھ کر ہی کہے جاتے ہیں جبکہ فی الحقیقت ان چیزوں کا سنت رسولؐ اور صحابہؓ کرام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ طلوہ پکانے کی یہ قیاسی بات جاتی ہے کہ اس روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اب مہارک شعیب ہوئے تھے اور انہوں نے طلوہ کھایا تھا۔ تاریخ اسلام سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا بھی اس کے سراسر باطل اور بے بنیاد ہونے کو جان سکتا ہے۔ کیا قرآن و احادیث میں نبی علیہ السلام کے وراثت سے شعیب میں وقوع پذیر ہوا تھا! تاریخ و قیامت سے ڈیڑھ ماہ قبل طلوہ پکانے کی کیا تک ہے؟ بعض لوگ اس طلوہ پر اویس قرنی کی نیاز دلاتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی رو سے غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز شرک کا فعل ہے اور یہ کھانا حرام ہے۔ بعض صاحبان حیا تو نہیں دلاتے مگر طلوہ ضرور پکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسروں کے گھر سے آنا ہے تو انہیں دینا بھی چاہتا ہے۔ پتے بھی مانگتے ہیں اور خود بھی دل چاہتا ہے۔ یہ تو سراسر منافقانہ انداز ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نام کی نذر و نیاز کرنا ہی حرام نہیں اس کا لینا اور کھانا بھی حرام ہے۔ شرک کا فعل سے مشابہت کو بھی ممنوع قرار دیا گیا چنانچہ فرمانِ نبویؐ ہے: "مَنْ تَشَبِهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" (جو کسی قوم کی نقل کرے گا تو وہ انہی کے ساتھ ہو گا) ہمیں اپنی خواہشات اور بچوں کو اللہ کے حکم کے تابع کرنا چاہیے دین کا بھی تقاضہ ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں دوسرے دنوں میں پکا کر شوق پورا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اویس قرنی کے نام کی نیاز دینے والے یہ کہانی بھی بیان کرتے ہیں کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت تھی کہ نبی علیہ السلام کے وراثت تو منہ کی خبر سن کر انہوں نے اپنے تمام وراثت توڑ ڈالے کہ نہ جانے نبیؐ کا کون سا وراثت شعیب ہوا ہو۔ حیرت ہے کہ یہ عشق و محبت کی داستانیں گھڑنے والے عقل سلیم سے ذرا بھی کام نہیں لیتے۔ ذرا تو سوچتے کہ اپنے جہانے صحیح مسلم وراثت تو زورۃ اللانہ صرف اپنی جان پر سراسر ظلم ہے بلکہ یہ تو خود کشی کے مترادف ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کا صریح کفران۔ نبی علیہ السلام کے بڑے بڑے جہان و قاصد صحابہ کرامؓ موجود تھے ان میں سے کسی نے آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی اپنا ایک وراثت بھی نہ توڑا۔ سگ مینہ کے لقب کو اختیار کرنے والے قادیانی صاحب نے اپنے کتابچے میں بریلوی فرقے کے بانی امام احمد رضا خاں صاحب کا ایک خط بھی چھاپا ہے جس میں خاں صاحب مکتوب الید کو لکھتے ہیں کہ وہ شب براءت کے معمولات کو اپنے یہاں بھی رواج دیں کیونکہ "مَنْ مَسَّ فِي الْأَسْلَامِ سِتَّةَ حَسَنَاتٍ فَلَهُ أَجْرٌ مِثْلُ مَنْ عَمِلَ بِهَا الی یوم القیامۃ لَا یَنْقُصُ مِنْ أَجْوَرِهِمْ غُفْلًا" یعنی "جو اسلام میں اچھی دوا نکالے اس کے ثواب میں کچھ کمی آئے"۔ غور فرمائیے اس شان سے صحیح حدیث کو غلط معنی کے لباس سے آراستہ کر کے اس کے پیچھے بے عقل استعمال سے حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سنت نبویؐ سے ہٹ کر کوئی دوا اسلام میں اچھی راہ کیسے ہو سکتی ہے؟ ایسی ہر نبی راہ بدعت ہوگی اور ہر بدعت گمراہی۔ اللہ تعالیٰ نے اینا دین عمل کر دیا اور اپنی نعمت کا اتمام کر دیا (الانعام: ۳) اور خیر و شر کے سادے کام اپنے نبیؐ کے ذریعہ واضح کر دیے اور دین کا کوئی تشکیک یا زیر عقل پیلو دوسروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا۔ نیکی گمانے، اجر حاصل کرنے کے سادے انداز نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو تحقیق فرمادے۔ اب اگر کوئی ٹیک بخت ایسی راہ کی طرف رجحانی کرے جو صحیح احادیث کی روشنی میں نبی علیہ السلام کی سنت کے عین مطابق ہو (اور جس کو لوگ فراموش کر چکے ہوں) تو وہ یقیناً "سنت حسنہ گمراہی کی اور بدعت یا بدعت کا اطلاق اس پر ہو گا۔ اس کے برعکس اگر کسی نے کوئی نئی بات اختراع کی جس کی تائید سنت نبویؐ (احادیث صحیحہ) سے نہیں ہوتی تو وہ ہرگز سنت حسنہ نہیں ہو سکتی بلکہ وہ بدعت قرار دی جائے گی اور غیر مقبول یا مروود ٹھہرے گی۔ نبی علیہ السلام بدعت کو شرالامور (سب سے بری بات) قرار دیا ہے اور بدعت کی بدست زوائد مذمت قرمائی ہے لحاظ رکھو:

۱۔ فانی خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الہدیٰ محمد وشر الامور محدثانہا
وکل بدعة ضلالة (مسلم)

ترجمہ : "سب سے بہتر حکام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور بلاشبہ بدعت سب سے برا کام ہے اور ہر بدعت کفرائی ہے۔"

۲۔۔۔ من أحدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فہو رفس۔۔۔ (متفق علیہ)

ترجمہ : "جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالی جو اس میں نہ تھی تو وہ مردود ہے۔"

۳۔۔۔ من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فہو رفس۔۔۔ (مسلم)

ترجمہ : "جس نے کوئی عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ مردود ہے۔"

مستدرج بالا صحیح مسلم کی روایت میں نبی علیہ السلام نے ہر بدعت کو کفرائی کہا ہے اور سنن نسائی کی کتاب صلوٰۃ الصغریٰ میں "کمل صلاۃ فی النار" کا اضافہ ہے یعنی ہر بدعت یا دین میں نئی چیز نکالنے والا اور اس پر عمل کرنے والا جہنم کی آگ میں ہے۔ ثابت ہوا کہ بدعات کے ارتکاب پر ثواب نہیں بلکہ آگ کا عذاب ہوگا۔ اللہ پروردگار میں رکھے ترمذی کی مذکورہ بالا روایت جس کو خاں صاحب نے غلط معنی دے کر بدعت کی تائید میں استعمال کیا ہے اس سے عمل اور بعد متحدہ روایات ہیں جو اس بات کو مزید واضح کرتی ہیں (خلاصہ ہو ترمذی ابواب العلم)

۱۔۔۔ من دعا الی ہتئى کان لہ من الاجر مثل اجور من ینفعہ لا ینقص ذلک من اجور ہم شیا۔۔۔ الخ

ترجمہ : "جس نے کسی کو بدعت کی طرف بلایا تو اس کو پیروی کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور پیروی کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی اور کفرائی کی طرف دعوت دے گا تو اس کو اس پر عمل کرنے والوں کے برابر گناہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔"

۲۔۔۔ من سن سنة خیر فاتبع علیہا فلہ اجر دو مثل اجور من اقیعہ عنیر منقوہ من اجور ہم۔۔۔ الخ

ترجمہ : "جس نے کوئی اچھا طریقہ رائج کیا اور اس پر عمل کیا کیا تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اور اس کی پیروی کرنے والوں کے برابر اجر" اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور جس نے کوئی برا طریقہ رائج کیا اور اس کی پیروی کی گئی تو اس پر اس کا گناہ ہوگا اور ان سب کا یا دو گنا بھی ہو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔"

یہ بات بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی اس اہم مسئلہ کو واضح فرمایا ہے۔

۔۔۔ ولیحملن اتقا لہم واتقوا لا مع اتقا لہم۔۔۔ الخ (الحکیرۃ ۱۳)

ترجمہ : "وہ ضرور اپنا بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ ان (دوسروں) کا بوجھ بھی۔۔۔"

یہ اصول واضح کر دیا گیا کہ معاشرہ میں برائی (کفر و شرک و بدعات اور ظلم و جور و فحش و پھیلائے والے اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ان کی پیروی ان برائیوں کا ارتکاب کرنے والے عوام کے گناہوں کا بار بھی اٹھائیں گے۔ مثلاً "قاتل جو قتل کا حق کا سب سے پہلا مرتکب ہے" تو قیامت تک جتنے قتل کا حق ہوں گے تمام قاتلوں کو ان کے گناہ کی جو سزا ملے گی قاتل پر ان سب کے گناہوں کا بوجھ ہوگا۔ (مقاری)

۳۔۔۔ من دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ لو قال عاملاً۔۔۔

ترجمہ : "شیر کی طرف رہنمائی کرنے والے کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اس کے کرنے والے کو۔"
 ۴۔۔۔ وایاکم ومحدثات الامور فانہا خبیلا لہ فیمن الذکر کذا لکم منکم صالح
 ترجمہ : "میں نے ان باتوں (بدعتوں) سے بچتے رہنا کیونکہ وہ کفرامیاں ہیں۔ تو جو تم میں سے اسے پائے اسے لازم ہے
 کہ میری اور ہدایت یافتہ خلق اور راشدین کی سنت کی پیروی کرے اور اسے دانتوں سے تھام لے"
 ۵۔۔۔ من احبب سنۃ من سنتی قد اہمیت بہ منی کان لہ من الاجر مثل من عمل بہا
 من غیر ان ینقص من اجور ہم شیئا۔۔۔ الخ
 ترجمہ : "جس نے میری کسی سنت کو زندہ کیا (رائج کیا) جو میرے بعد مر گئی تھی تو اس کو اتنا اجر ملے گا جتنا اس کے
 کرنے والوں کو ملے گا اور ان کے اجر میں کچھ کمی نہ کی جائے گی۔ اور جو کوئی کفرانی دلی بدعت نکالے جس سے
 اللہ اور اس کے رسول راضی نہ ہوں تو اس پر اتنا گناہ ہو گا جتنا اس پر عمل کرنے والوں کو ہو گا اور ان کے بارگناہ
 میں کوئی کمی نہ ہوگی۔"

شب قدر

ان تمام راتوں میں یہی پہلی رات ہے جس کی فضیلت قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور اس میں پوری رات جاگنے کی ترغیب و تاکید
 فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عنوان سے پوری سورہ نازل فرمائی ہے یعنی سورۃ القدر جس میں لیلۃ القدر کی اہمیت و فضیلت کو امتیازی
 نشان سے اجاگر فرمایا ہے۔

اذا نزل فی لیلۃ القدر۔۔۔ الخ

ترجمہ : "ہم نے اس (قرآن) کو نازل فرمایا ہے لیلۃ القدر میں اور تمہیں کیا معلوم لیلۃ القدر کیا ہے۔
 لیلۃ القدر تو ہزار مہینوں سے بھر ہے جس میں فرشتے اور روح (جبرائیل) اپنے رب کی اجازت سے ہر حکم لے کر
 اترتے ہیں اور صبح تک سلامتی رہتی ہے۔"

جیسا کہ اوپر ثابت کیا گیا اسی رات کو سورہ دخان میں "لیلۃ القدر کبرۃ" کہا گیا ہے اور وہاں بھی اسی انداز سے اس کی فضیلت کا ذکر
 ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ

ترجمہ : "جس نے بھی ایمان و احتساب کے ساتھ لیلۃ القدر میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائے ہیں۔"

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس رات میں عبادت کے لیے استحاثی خصوصاً اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ اگرچہ
 اس رات کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں اور بعض متناہیں شب کی روایات بھی ہیں لیکن حتمی طور سے نبی علیہ السلام نے رمضان کے
 آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرنے کی تاکید فرمائی ہے یعنی رمضان کی ۳۱، ۳۰، ۲۹ اور ۲۸ شب کو خصوصاً شب
 بیداری اور عبادت کا حکم دیا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے۔
 ان راتوں میں آپ پوری پوری رات جاگتے اور گھر والوں پر بھی زور دیتے۔ یہ راتیں عبادت و ریاضت، ذکر اور دعاؤں کے لیے مخصوص
 ہیں۔ قیام اللیل (نوافل کی اذانیں) تو سب سے افضل عبادت ہے اس کے علاوہ قرآن و حدیث کا مطالعہ غور و فکر کے ساتھ کیا جائے، ذکر
 اور دعائیں کی جائیں۔ اللہ کی تحید، تکیہ پر مشتمل اذکار جو صحیح احادیث میں ملتے ہیں انہی پر استغناء کرنا چاہیے اور توبہ استغفار
 بھی زیادہ سے زیادہ ہونا چاہیے۔ البتہ نبی علیہ السلام نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو لیلۃ القدر کے لیے مخصوص دعا سکھائی :

اللهم انك عفو عاف عني

ترجمہ : "اے اللہ تو (سراسر) معافی ہے معافی کو پسند فرماتا ہے" پس مجھے معاف فرما دے۔"

الغرض "لیلة القدر" کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے اور اس میں عبادت کرنے کی بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث کی بے شمار روایات ہیں اور اس رات کی اہمیت و فضیلت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کسی اور رات کو اس کے مقابلہ میں لانا بھٹکی گمراہی و جہالت ہے۔

شب جمعہ

ان مخصوص راتوں کے علاوہ ایک اور رات بھی ہے جس کی بہت زیادہ فضیلت بیان کی جاتی ہے یہ ہے جمعرات و جمعہ کی درمیانی شب۔ صوفیاء کے یہاں اس کی بہت اہمیت ہے اور ان میں سے بھی قمری مہینہ کی پہلی شب جمعہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس رات میں عبادت و ریاضت بکثرت صرف صوفیاء بلکہ تقریباً "تمام ہی فرقوں میں خصوصی اہتمام ہوتا ہے" ان میں بریلوی و دہلوی (بالخصوص) تبلیغی جماعت والے شامل ہیں۔ اب دیکھتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا اس رات کے بارے میں کیا موقف ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تختصو لیلة الجمعة بقیام من بین الیالی فلا تختصو یوم الجمعة بصیام من بین الايام الا ان یکون فی صوم و یصومہ احدکم۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ)

ترجمہ : "ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ مخصوص کرو جمعہ کی رات کو عبادت کے لیے اور نہ جمعہ کے دن کو صوم کے لیے مگر یہ کہ تمہارے روزے کے دن جمعہ پڑ جائے۔"

یہاں کہہ دیجئے کہ اس حدیث سے روایت ہے کہ جس رات یا دن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے لیے مخصوص کیا ہے اسی کو مخصوص سمجھ کر اس موقع پر ایسا ہی عمل کیا جائے جو حدیث سے ثابت ہو اور جس دن یا رات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص نہیں کیا ہے اس کو مخصوص کرنے کو بدعت قرار دیا جائے۔ "کل محدث بدعت" کے مطابق (بدعت ہے کہ اسلام کو بددین و فساد فتنائے عالم میں پھیلانے کے مددگار بننے والی چیز) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صریحاً "جس رات کو عبادت کے لیے مخصوص کرنے سے منع فرمایا ہے" یہ اس رات کو نہ صرف یہ کہ عبادت کے لیے مخصوص کرتے ہیں بلکہ شب قدر کی طرح اس میں اپنے مراسم میں قیام وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں "رب ذو الجلال کے اس حکم کی خلاف ورزی کر کے اس کے قہر و غضب کو دعوت دے رہے ہیں۔

وما اثمکم الرسول فخلوہ وما اثمکم عنہ فانتہوا۔ (المحشر)

(جو کچھ رسول تمہیں دین اس کو لو اور جس سے روکیں اس سے باز رہو)۔

اور اس کے عذاب کی وعید سے کیسے غافل ہیں؟

واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب۔ (المحشر)

تم غور فرمائیے کہ سنت کا اس طرح تسخیر و ٹوٹنے والے اپنے آپ کو اہل سنت کہتے ہیں اور جب رسول کا دم بھرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حق جائے مانے اور اس پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ:

لیہلک من ہلک عن بیئہ و بیئہ من حیاء عن بیئہ

فسئل اللہ العافیہ و الہدایہ لنا و لہم و لکل امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آمین یا رب العالمین

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ

يَعْقُوبُ عَلِي

آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں و دین اسلام کو پابند تعلیم تک پہنچا کر اس ابدی نعمت کا اتمام فرما دیا۔ اس دین کی اساس اور سرچشمہ ہدایت "قرآن حکیم کی حفاظت کی ذمہ داری خود ہی لے لی اور اس کی تفسیر و تشریح کو احادیث صحیحہ کی شکل میں مرتب کرا کے محفوظ فرما دیا۔ اس طرح صراط مستقیم پر چل کر منزل مقصود تک پہنچنے کی ٹرپ رکھنے والوں کے لیے دین و ایمان کی حفاظت کا جامع و نحوس اہتمام فرما دیا اور ساتھ ہی پیش بندی کے طور پر ان کو ہوشیار بھی کر دیا تھا:

○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ..... عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ..... (البقرہ ۳۲)

"اے ایمان والو! ان مولویوں اور جہروں کی اکثریت لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتی ہے اور انہیں اللہ کی راہ سے بھی روکتی ہے"

○ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ..... لِرُحْمٍ (الزمر ۲۲)

"اور ان مشرکوں کی روش اختیار نہ کرو جنہوں نے دین میں تفرقہ پر دازی کی لکڑیہ بندی کا شکار ہو گئے اور ہر گروہ اسی پر مبنی ہے جو اس کے پاس ہے"

لیکن شیطان کا وار پلے امنی پر کار گر ہوا اور پچھلی امتوں کے اہلکار و رہبان کی طرح یہ شیطان لعین کے آلہ کار بن گئے اپنی دنیا بنانے کے لیے اللہ کے بندوں کو گروہوں میں تقسیم کرنے میں لگ گئے "قرآن و صحیح احادیث پر کسمان کے دیوار غلاف چڑھا کر لوگوں کو سرچشمہ ہدایت سے دور کر دیا۔ پھر موضوع "منکر و ضعیف روایات اور اپنے بزرگوں کے اقوال کی بنیاد پر ایجاد کردہ نظریات پر ایمان و عقیدہ کو استوار کیا اور قرآن و حدیث کی معنوی تحریف اور من مانی تاویل کے ذریعہ باطل پرستی کی عمارت کو تقویت پہنچانے کی سعی و جہد کو مقصد حیات بنا لیا گیا۔

۱۔ عذاب قبر حق ہے جس طرح پچھلی امتوں میں مردوں کو زندہ تصور کر کے مورتیوں اور قبروں کی شکل میں انبیاء و صلحاء کی پوجا پاٹ کا دین ایجاد کر کے دین حق پر مسلط کیا گیا تھا آج ہمارے سامنے بھی وہی صورت حال ہے۔ یعنی قبر پرستی کے دین کا اللہ کے سچے دین پر غلبہ ہے۔ عقیدہ "مرد روح" کے ذریعے مردے زندہ مان لیے گئے ہیں "اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام سے کران کی قبروں کو شیطانی مشن کے مراکز بنا دیا گیا ہے جہاں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو صنم کدوں میں ہوتا رہا ہے۔ تو یہ ہے باطل احادیث و روح کے عقیدہ کا "البتہ اب ایک یہ ہوشیاری بھی کی گئی ہے کہ اس باطل نظریہ "مرد روح" کو صحیح اور سچے عقیدہ "عذاب قبر" کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہے۔ دراصل

یہ تینوں حق و باطل کی قبریں کارائے کوشش ہے۔ بلاشبہ "عذاب قبر" حق ہے اور جو اس کو نہ مانے وہ قرآن و حدیث کا منکر قبیح "کافر" ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عذاب قبر ہونا کہاں ہے؟ عالم برزخ میں یا اسی زمینی گڑھے میں جسے "مہرقا" قبر کہا جاتا ہے۔ عذاب قبر کا عالم برزخ میں ہونا تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے جس کی وضاحت آئمہ سطور میں ہوگی لیکن اس دنیاوی گڑھے میں سوال و جواب اور عذاب و راحت کا دار و مدار تو عقیدہ "حیات فی القبر" یعنی اس مردہ لاشے میں دوبارہ روح لوٹنے جانے کے عقیدہ پر ہے جو فی الحقیقت ان قبر پرستوں کو مقصود و مطلوب ہے کیونکہ اس کے بغیر تو قبر پرستی کی عمارت کے منہدم ہونے کا شدید خطرہ ہے۔ اسی لیے قرآن و حدیث کے واضح و محکم دلائل کے باوجود عالم برزخ میں سوال و جواب اور عذاب و راحت کے موقف کو تسلیم کر لینے کی بجائے تمام سعی و جہد اس کو رد کرنے پر مرکوز ہے اور پورا زور اس باطل موقف کے دفاع میں صرف کیا جا رہا ہے کہ سوال و جواب اور عذاب و راحت کا معاملہ اسی دنیاوی قبر میں ہوتا ہے تاکہ قیامت سے پہلے مردہ جسموں میں اتنا روح کے ساتھ حیات فی القبر کے لیے راہ ہموار ہو سکے اور اس طرح قلوب قبر پرستی کی تسکین ہو۔ لیکن یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ یہ بات پرستی ہی کی ایک شکل ہے کیونکہ ہر حال پر جالتو ان ہستیوں کو جاتا ہے جن کو مورتیوں یا قبروں میں زندہ تصور کر لیا گیا ہے۔ اب جب ان کو قرآن و کتب احادیث کے دلائل سے کھنکھایا جاتا ہے کہ آپ ان کو پہچانیں سنا رہے ہیں اور ان سے التجاؤں پر التجائیں کئے جا رہے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ کچھ کر سکتے ہیں وہ تو مردہ ہیں زندہ نہیں۔ اور ان قبروں میں جن سے تمہاری امیدیں وابستہ ہیں اور جن کے خوف سے تم لرز رہے ہو ان میں تو گلی سڑی قبروں کے سوا کچھ نہیں جو جلد ہی مٹی کے ساتھ ملی ہو جائیں گی یا ہونگی ہوں گی تو جواب دہ ہے کہ آپ کا موقف غلط ہے، مردہ میں روح لوٹ آتی ہے اور وہ سختی ہے اور زائرین کو پہچانتا ہے، وہ تو زندہ ہی کی تیز بھی کر لیتا ہے، (معاذ اللہ!) مقام عبرت ہے، اکابر پرستی اور اندھی عقیدے انسان کو کیا بھٹکایا ہے، زندہ اور مردہ برابر ہی نہیں بلکہ مردہ زندہ سے زیادہ قوی اور اختیار ہو گیا، (معاذ اللہ!) حق و باطل کا معیار صرف اور صرف بزرگوں کے اقوال ہیں اور پھر ان کی تائید کے لیے مضمحل و منکر اور ضعیف روایات۔ ہر حال، جب ان کو بتایا جاتا ہے کہ قرآن کے مطابق تو مردے مردے ہی ہیں زندہ نہیں، وہ قیامت کے دن ہی زندہ کئے جائیں گے، اس سے پہلے ان کے زندہ ہونے کا نظریہ سربہا۔ غلط قرآن ہے اور ایسے نظریے کو اپنانا تو قرآن کا کفر ہے، تو فتویٰ داغ دیا جاتا ہے کہ "یہ عذاب قبر کے منکر ہیں!۔ سطور بالا میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ قبر میں عذاب یا راحت کا نظریہ برحق ہے اور ان کا انکاری مسلم نہیں ہو سکتا، تب تک کہ قہر نہ کرے۔ لیکن یہ عالم برزخ کا معاملہ ہے نہ کہ اس دنیاوی گڑھے کا" یہ معاملہ مرنے کے فوراً بعد برزخ میں شروع ہو جاتا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا اور یہ ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے خواہ اس کا لاشہ جلا دیا جائے، وہ جنگلی جانور یا پھیلیوں کی غذا بن جائے یا کسی میڈیکل کلن کی تجزیہ گاہ کی ڈسٹ بن جائے تاکہ طلباء مشاہدہ و مطالعہ کر سکیں، یہ مردہ خاتے میں برف کی سطحوں میں سینوں دبا پڑا رہے، یا اس کے اعضاء (آنکھیں وغیرہ) کسی زندہ شخص کے جسم میں لگا دئے جائیں یا لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے قبر سے نکال لیا جائے، ہر حال یہ اسباب و عوامل جن کا تعلق تو دنیاوی لاشے سے ہی ہے قبر (یعنی عالم برزخ) میں عذاب و راحت میں ہرگز نہیں بن سکتے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ بات وہ نہیں سمجھیں کہی جائے کہ یہ معاملہ نہ تو ہمارے اختیار میں ہے اور نہ ہماری خواہش پر موقوف کہ جب چاہیں مردے کو قبر سے نکال کر عذاب و راحت کو روک دیں اور جب چاہیں لاشے کو قبر میں ڈال کر عذاب میں مبتلا کریں۔ کیسی ستم خیزی ہے کہ یہ فرق پرست قرآن و حدیث کے نفوس اور ناقابل رد دلائل کے باوجود اس موقف کو تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے کہ سوال و جواب اور

مسئلہ اب یہ اور بات ہے کہ بعض دہرا میاں رکھنے والے حیات فی القبر کا انکار بھی کرتے ہیں لیکن سوال و جواب کے لیے روح کا مردہ لاشے سے تعلق ہی ثابت کرتے ہیں۔

عذاب و راحت کا معاملہ ہرگز نہیں ہوتا ہے اسی دنیا میں نہیں بلکہ الٹا ہمارے خلاف معاندانہ پروپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ لوگ عذاب قبر کو نہیں مانتے۔ یہ بات قاطبی غور ہے کہ عذاب قبر کو ہم نہیں مانتے یا یہ فرق پرست!۔ یہ اسی دنیاوی گڑھے میں موال و جنواب اور عذاب و راحت پر زور دیتے ہیں "کیا یہ نہیں دیکھتے کہ یہ قبر کتنے مردوں کو ملتی ہے۔ مردوں کی ایک کثیر تعداد کو تو جلا دیا جاتا ہے، جنگلی چاٹور کھا جاتے ہیں، مسمومہ میں جانوروں کی غذا بن جاتے ہیں، قوم قوح کے لیے فرمایا "ساحطہم احر قوا۔۔۔" (ان کی خطاؤں کی پاداش میں ان کو غرق کر دیا گیا اور آگ میں ڈال دیا گیا۔ ص ۵۵)۔ ان کو یہ دنیاوی گڑھے والی قبریں تو نہ ملیں، بلکہ بعض کی قبریں جنگلی جانوروں کے جیٹ ہیں تو بعض کی قبریں سمندری جانوروں کے شکم۔ تو پھر ان کے عقیدے کے مطابق ان کے لیے عذاب قبر تو "عذاب جنگل" "عذاب سمندر" "عذاب شمشان گھاٹ" ہو کر رہ گیا۔ ان قبر پرستی کا ذوق رکھنے والوں کو شاید یہ سب منظور ہو گا لیکن قرآن وحدیث پر مبنی "عذاب ہرگز" منظور نہیں کہ کہیں ایسا ہو کہ ان کے "بیوں" کے وقار پر آنچ آجائے اور قبر پرستی کی بنیاد ہی کا عدم ہو جائے۔ تو یہ ہے حقیقت ان ذہن پرستوں کے عقیدہ عذاب قبر کی!۔ اسی بات کی تقریباً "دو عشرے قبل ڈاکٹر عثمانی نے کچھ اس طرح نشانہ دہی فرمائی تھی:-

"امت کی بدقسمتی کہ آج عذاب قبر کے مسئلے کو فروعی مسئلہ قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہے حالانکہ دنیاوی قبر میں عذاب قبر کا اثبات "حیات فی القبر" کے ہم معنی ہے اور قبر پرستی کے شرک کی اصل بنیاد ہے" (عذاب قبر ص ۳۷)

۳۔ نظریہ حیات فی القبر باطل ہے۔ الغرض اب یہ اس قوم کی شومئی قسمت ہے کہ آج اس کی اکثریت نے اپنے اکابرین کی اندھی پیروی کرتے ہوئے قبر پرستی کی شکل میں جو دین اپنایا ہوا ہے اس کی بنیاد ہی اس باطل عقیدہ پر ہے کہ مرنے والا دفن ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی (اس دنیاوی قبر میں) زندہ ہو جاتا ہے، اس میں روح واپس آ جاتی ہے۔ دراصل ان کو اپنے اکابرین "علماء و فقہاء اور آئمہ پر ایسا اعتقاد ہے کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ گویا فرمان الہی ہے۔ قرآن کی حکیم آیات پر ان کے اقوال کو ترجیح دی جاتی ہے۔ قرآن تو بیابانگ دلیل اعلان فرماتا ہے:-

۱۔ ثم انکم بعد القیامۃ تبعثون (.....) (المومن ۱۵)

"پھر اس کے بعد تم کو ضرور موت آئے گی پھر قیامت کے روز تم اٹھائے جاؤ گے"

یعنی یہ موت کی حالت گھٹنے دو گھٹنے یا دو چار دن کے لیے نہ ہوگی بلکہ تا قیامت ہوگی اور تم روز قیامت ہی زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے، اس سے پہلے نہیں۔ سورۃ الزمر میں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے فرمایا:-

۲۔ فبئسکالتی قضا علیہا الموت ویرسل الی اجل مسمی (.....) (الزمر ۴۲)

"پھر جس پر موت کا فیصلہ نافذ فرماتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دو مہرئی ارواح کو ایک وقت مقررہ تک کے لیے واپس بھیج دیتا ہے"

اس آیات نے بغیر ایمان کے اس بات کو ثابت کر دیا کہ مرنے والے کی روح قیامت تک کے لیے (عالم برزخ میں) روک لی جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم میں نیکی ملیے السلام کی حکیم فرماتے ہوئے بھی اسی کلمے کا اظہار فرمایا "ملاحظہ ہو:-

۳۔ و سلام علیہم وعلیٰ اولیہم وعلیٰ موت و یوم یبعث حیا (.....) (مریم ۵۷)

"اور ان پر سلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہوئے، جس دن وفات پائیں اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں"

یہاں صاف ظاہر ہے کہ وہ مردہ حالت سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، زندہ کو زندہ کر کے اٹھانا تو ہے "معنی ہے۔ غور فرمائیے کہ حکیم و قدیر رب نے قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھانے کے لیے "علق جدید" کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے:-

۴۔ بل ہم علی لبس من خلق جدید (.....) (الاحقاف ۱۵)

(مگر قیامت کے روز) ایک نئی تخلیق کی طرف سے یہ لوگ شک میں پڑے ہوتے ہیں) نور فرمائیے! جس طرح وہ "فلق جدید" کے بارے میں شک میں تھے "اسی طرح تیرے یہ فرقہ پرست شک و شبہ کا شکار ہیں۔ جو لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائے گا تو نہیں مانتے ان کو اس دن بتایا جائے گا۔

۵۔ لَیْسَ بِیَوْمِ الْبَیْعَتِ وَلَکِنَّمْ کُتِبَ لَکُمُ الْیَوْمَ (البقرہ ۵۶)

"بیعت کا دن تو یہ ہے لیکن تم لوگ جانتے نہ تھے۔"

اس آیت سے پُر زور انداز میں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ بیعت بعد الموت (موت کے بعد اس لاشے کو زندہ کر کے اٹھائے جائے) کا ایک دن مقرر ہے اور وہ روزِ قیامت ہو گا۔ ورنہ بالا آیات کے علاوہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دو موقوف اور دو زندہ کیوں کا صراحت کے ساتھ کتنی ہی جگہ ذکر فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

۶۔ کَلِمَ تَکْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَکُتِبَ لَکُمُ الْیَوْمَ تَزِجُوهَا (البقرہ ۶)

"تم کیسے اللہ کا کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مر رہے تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر وہی تمہیں موت دے گا اور پھر (دوبارہ) زندہ کرے گا پھر (اس کے بعد) تم اس کی بارگاہ میں پیش کئے جاؤ گے۔"

اس آیت نے دو موقوف اور دو زندہ کیوں کا اثبات کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ قیامت سے پہلے دنیاوی جسم میں روح لوٹا کر تیسری زندگی کا تصور صحیح ہے۔ خلاف قرآن ہے۔ چنانچہ ایسا موقف اختیار کرنا قرآن کا گمراہ ہو گا۔ جو لوگ آج اس بات کو تسلیم نہیں کرتے وہ قیامت کے دن شدید احساسِ ندامت کے ساتھ خود اقرار کریں گے کہ:

۷۔ فَاَلَا وَبِآیَاتِنَا اِنَّتَنَزَّلُ الْاِنۡجِلَآءَ (النور ۷)

"وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو ہی مرتبہ زندگی دی؟" پس (اب) ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا یہاں سے نکلتے کا اب کوئی راستہ ہے؟"

ان آیات کے علاوہ اور بھی آیات سے ورنہ بالا موقف کی تائید ہوتی ہے، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سورۃ الحج (۲۶) "سورۃ المروم (۴۰)۔ ان آیات میں دو زندہ کیوں اور درمیان میں ایک موت کا تذکرہ ہے۔ الغرض ان آیات مقدسہ سے مسئلہ موت و حیات مطلقاً واضح و ثابت ہو جاتا ہے۔ دو موقوف کا جہاں ذکر ہے ان میں سے ایک عالمِ عدم ہے، احیاءِ دنیا سے قبل کا دورانیہ (اور دوسری موت و دنیاوی زندگی میں دوزخ کی جسمِ عسکری سے طلسمی ہے (یعنی دنیوی موت)۔ دو زندہ کیوں سے مراد ایک تو یہی دنیاوی زندگی ہے (اس جسم میں روح کا آنا) اور دوسری زندگی قیامت کے روز اس دنیاوی جسم کو زندہ کر کے اٹھایا جانا ہے جس کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے۔

○ "تَمَّ اَنۡکُمۡ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تَبَعُوهَا" (پھر تم قیامت کے دن ہی اٹھائے جاؤ گے) (المومن ۶۶)

اور بخاری کی روایت سے اس کی تشریح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ "عجب الذنب" پر جسم کو بنا کر اس میں جان ڈالے گا۔ نور فرمائیے "اس مسئلہ کو قرآن و حدیث نے اس صراحت سے بیان کیا ہے کہ اس میں کسی بھی قسم کے ایہام کی کوئی گنجائش نہیں، چھوڑی اور قبر پرستی یا مردہ پرستی کے خیال کی عقیدہ "مردہ روح" یا "حیات فی القبر" کی جڑی کاٹ کر رکھ دی ہے۔ مزید برآں قبولِ فورِ مہرِ تینوں کی شکل میں نبیوں اور ولیوں کو زندہ تصور کر کے استعانت اور استدراک کرنے والوں کو شدت کے ساتھ سمجھوتہ دیتے ہوئے ان کے "حیاتی عقیدے" پر کبھی بھرپور چوٹ لگائی ہے ملاحظہ ہو:

۸۔ وَالنَّارُ یَدۡخُلُونَ مِنْ دُونِ الْاَبۡرَاسِ (الاحزاب ۶۶)

"اور اللہ کے علاوہ وہ دوسری ہستیاں جنہیں لوگ (مردہ کے لیے) پکارتے ہیں کسی شے کی بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق

ہیں (موت کے بعد) وہ مردہ ہیں اور ان میں جان کی رمق تک باقی نہیں اور انہیں تو اپنے پارے میں یہ شعور بھی نہیں کہ وہ کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے۔

اب تو چوں و چرا کا ساتھ باقی نہ رہا، قرآن نے دو ٹوک فیصلہ فرما دیا کہ مردے "مردہ" ہی ہیں زندہ نہیں! خواہ وہ نئی ہوں یا ولی! ابراہیم توں یا لات و عزی وغیرہ اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ مردے قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اس سے پہلے نہیں، اور اس گھڑی کا ان کو کوئی شعور نہیں۔ جب قبر پرستی کے ان شائقین کو چیلنج کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی چھ ہزار سے زائد آیات میں سے کوئی ایک آیت ہی اپنے عقیدہ کی تائید میں پیش کریں کہ قیامت سے پہلے مردوں کے جسم میں ارواح آجاتی ہیں، معجزات کی بات اور ہے (جو عام قانون سے بالائے تر ہوتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کے لیے کسی روز میں مردوں کو زندہ کیا ہو یا جیسی علیہ السلام کو تجرہ مطلق کیا اور یہ باذن اللہ معجزے کے طور پر مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ ان مستحیات سے بحث نہیں، استدلال تو اصول اور قواعد و قوانین سے ہی ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے قرآن میں جگہ جگہ صراحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ تو اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ آپ حدیث کو نہیں مانتے!۔ کیسا عجیب انداز ہے ان "قبر پرست" رواۃی ویدواروں کا کہ دلیل کے سامنے قیچہ نہ کر بھی بہت دھرمی پر اتر آتے ہیں اور اللہ ایم پر ہی التزام لگاتے ہیں۔ انکار پرستی اور مسلکی تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو انہیں صاف نظر آجائے کہ صحیح معنوں میں ہم ہی حدیث کو مانتے ہیں کیونکہ انصوص قرآن پر مبنی یہ موقف صحیح معنوں میں حدیث کا اثبات کرتا ہے نہ کہ انکار اور اس کی تائید محکم آیات قرآنی آیات اور صحیحین کی واضح و صریح احادیث سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کی درج بالا آیات کی واضح تشریح فرمائی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ: (جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی تم لوگ فوج و فرج ہو گے)

..... ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صور کی دو پھونکیوں کے درمیان چالیس کا وقفہ ہو گا۔ پوچھنے والے نے کہا کہ چالیس دن کا وقفہ؟ ابو ہریرہ نے جواب دیا کہ نہیں کہہ سکتا۔ پھر کہنے والے نے کہا چالیس مہینوں کا وقفہ۔ کہا کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ پوچھنے والے نے پھر کہا کہ کیا چالیس سال کا وقفہ؟ ابو ہریرہ نے جواب دیا کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اس بات کو (رسول اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے) کہ اس وقفہ کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان سے پادشہ برمائے گا اور لوگ اس طرح آگ پڑیں گے جیسے سبزہ اکتا ہے۔ انسان کے جسم میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو برباد نہ ہو جائے سوائے ایک ہڈی عجب الذنب کے اور اسی سے جسم انسانی کو پھر بنایا جائے گا۔ (مسند امام احمد، ۱/۱۸۱)

۳۔ احادیث سے قرآن کی تائید ہوتی ہے نہ کہ تردید!۔ اس روایت نے کتاب اللہ کی آیات کی تشریح فرمادی کہ انسان کے جسم کا ہر حصہ گل سڑ کے ختم ہو جاتا ہے صرف "عجب الذنب" باقی رہ جاتی ہے "قیامت کے روز اسی پر جسم انسانی پھر سے بنا دیا جائے گا۔ غور فرمائیے قرآن نے دنیاوی زندگی کے بعد قیامت کے روز زندہ ہونے کا جو کلیہ بیان کیا ہے، اس روایت نے اسکی وضاحت کردی اور اسی طرح قرآن و صحیح حدیث سے عقیدہ حیات فی القبر کی تردید ہو گئی۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی منسوب ہے کہ وہ آیات قرآنی کی تشریح و توضیح کرتے تھے کہ تردید۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:-

○ وَإِنَّا لَنَاذِرُكَ الذِّكْرَ لِنَبِّئَ لِلنَّاسِ مَا قُذِلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۴﴾ (النجم ۵۴)

"اور ہم نے یہ قرآن تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو وضاحت کرو ان ایمانات کی جو ان کی طرف نازل ہوئے ہیں اور تاکہ وہ غور کریں"

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کتاب اللہ تو اس انقلابی پیغام کا مخدوم سرچشمہ ہے جس نے دیکھ بھلا ہزار سال قبل کفر و شرک سے کلمہ اس میں
 دائرہ قوم کے قلب و فہم کی تطہیر فرمائی اور سرت و گردار کی اصلاح فرما کے اس کو عزم و شرف کی پٹریوں تک پہنچایا زبان نبوت نے اس بات
 کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

○ ان اللہ یرفع بهذا الكتاب احوالنا و یضع بها اخرین (اصحح مسلم)

"اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ قوموں کو بلند کرے و رفعت عطا فرمائے اور دوسروں کو (جو کتاب اللہ کو چھڑ دیتے

ہیں) ذلت و پستی میں گرا دیتا ہے (جس طرح یہ نام نماز امت مسلمہ زبوں حالی کا شکار ہے)"

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ وہ اس انقلابی پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں، اس کے ذریعے مہم پرست
 قوم کے مشرکاتہ نظریات اور رسم و رواج کے مطلق جاہلانہ نظام پر گہری ضرب لگائیں، ایمان کی کھلی کردار و دعوت دیں اور اس مقدس مشن کو
 سر انجام دینے میں کسی قسم کی ہذاست نہ کریں۔ اس راہ کی مزاحمتوں اور مخالفتوں کا عزم و صبر کے ساتھ ہم کر مقابلہ کریں، قرآن کے
 ذریعے "ہیما و کبر" کا قریضہ انجام دیں۔ قرآن کے الفاظ ہیں۔

○ فلا تطلع الکالین و جاہلہم بہ حیثا کنوا (الفرقان ۴۸)

"تم ان کافروں کا گمانہ مانو اور اس (قرآن) کے ذریعہ ان سے سخت جہاد کرو"

اب اس مقدس مشن کے حاملین کی رہنمائی کے لیے یہ قرین اسول "فلا تطلع الکالین" قیامت تک انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں
 اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اس دعوت کے مشن کو سر انجام دینے والے کفر و شرک سے آلودہ نظریات کے حامل لوگوں سے قطعاً "مردوب
 و متاثر نہ ہوں بلکہ اللہ کے سچے دین اسلام کو قرآن و صحیح احادیث کی روشنی میں ناقض اہل کرنے کی جدوجہد میں سرگرم عمل رہیں۔ یہ
 منکرین قرآن کیسی ہی کوششیں کیوں نہ کریں کہ واقعی حق کو انھی طرح پھیلانے پر قوم کے افکار و اقوال اور منکر و موضوع روایات میں الجھا دیں لیکن
 واقعی حق اسی شخص اور ناقابل تردید بنیاد یعنی قرآن و حدیث پر جم کر حق کو واضح کرتے رہیں اور ان کا قریضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کا فرمان یاد رکھیں کہ "القرآن حجة لک او علیک" (مسلم)

"یعنی قرآن یا تو تمہارے لیے دلیل ہے یا پھر تمہارے خلاف حجت۔"

الغرض ہے تمہارے اوپر کہ ایمان و عقیدہ کی محکم بنیاد قرآن و حدیث کو چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے ہو اور اپنے "ہیوں" کے دماغ کے
 لیے بے حیثیت اقوال و روایات کو حجت و دلیل بناتے ہو۔ تم اس بات کو بھولے ہوئے ہو کہ قیامت کے دن اللہ کے رسول و رب قوا الجلال
 سے شکوہ فرمائیں گے کہ:

○ وقال الرسول یا اوب ان قوم اتخذوا هذا القرآن سجعوا (الفرقان ۳۰)

"اور رسول کہیں گے "اے میرے رب میری قوم نے تو اس قرآن کو ہانکل میں مشرک کر دیا ہے اور دے دیا تھا۔"

یعنی انہوں نے قرآن کو تو بے پشت ڈال دیا تھا اور اس سے دلیل و رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے قرآن کے خلاف دلائل فراہم کرنے میں
 سرگرداں رہنے لگے تھے۔ یہ بات ذہن نشین کر لی جائے کہ قرآن و حدیث کے نصوص و کلیات سے صرف نظر کر کے کسی آیت قرآنی یا
 روایت حدیث کا مفہوم اخذ کرنا ویداری نہیں بلکہ صریح گمراہی ہے۔ علم القرآن اور علم الحدیث کا تقاضہ تو یہ ہے کہ قرآن کی آیت اور
 حدیث کی روایت کی تشریح و توضیح اس طرح کی جائے کہ وہ قرآن و حدیث کے نصوص قطعیہ سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہو جائے۔ اہل علم کا
 یہی طریقہ کار رہا ہے اور قرون اولیٰ میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ غور فرمائیے نبی علیہ السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے
 زیادہ ہمارے لیے کس کا عمل مشعل راہ بن سکتا ہے! بطور نمونہ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے "قلیب بدر کے واقعہ کے بارے میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سن کر اس کا مقصود قرآنی آیات کی روشنی میں بیان کیا اور فرمایا کہ یہاں سننے سے مراد علم ہے یعنی یہ (مقتولین بدر) اب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (دعوت کے دوران کے) فرمودات کو خوب جان گئے ہیں۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)۔ اس طرح ام المؤمنین نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن کی روشنی میں وضاحت فرمادی۔

مقام حیرت ہے کہ یہ اکابر پر سنت حیات فی القبر کے اس باطل عقیدہ کے دفاع کی کوشش میں چند روایات سے قرآن و حدیث کے خلاف مقصود کشید کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور امت کی قابلِ سدا احترام قصیدہ ام المؤمنین پر صحیح مقصود بیان کرنے کے جرم میں زبانِ طعن و راز کرنے سے بھی نہیں بچتے اور ان کو اپنے بڑوں کے مقابلہ میں معذور یا ناقص القسم قرار دیتے ہیں حیف محمد حنیف ! حالانکہ ناقص القسم لغوی اور کو تاہ نظری ہی نہیں بلکہ بدترین گمراہی اور جہالت کا شکار یہ خود ہیں جو قلیب بدر والی روایت کے الفاظ اور عائشہ کی طرف سے قرآنی تعلیمات کے مطابق اس کی وضاحت کو بنیاد بنا کر سماج موقی کے مشرکانہ عقیدے اور قہر ستمی کے دیوبالائی نظام اور اس کے کارپردازوں کے تحفظ کے لیے لوگوں کو یہ مغالطہ دینے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں کہ سماج موقی کے معاملے میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس یہ بالکل واضح و دو شک اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ صحابہ کرامؓ یا اطلاق سماج موقی کے مشرکانہ عقیدے کی تردید کرتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ میں عبد اللہ بن عمرؓ اس واقعہ کو نبی علیہ السلام کے معجزے کے طور پر پیش کرتے ہیں جو ظاہر ہے عام اصول اور قاعدہ نہیں بلکہ استثنائی صورت ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کو مجتوانہ طور پر زندہ کر کے مزید ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ان کو نبی علیہ السلام کی باتیں سنوائیں۔ جبکہ عائشہؓ کی وضاحت کے مطابق کفار و مشرکین نے اللہ کے عذاب کو نبی علیہ السلام کی وعید کے مطابق ذلت و رسوائی سے دو چار ہو کر عملی طور پر دیکھ اور جان لیا۔ اور یہی واصل وہ مستقل کیفیت ہے جس میں وہ بدترج کے دوران قیامت تک رہیں گے۔ چنانچہ مذکور بالا آراء سے جو بات بغیر کسی شائبہ اختلاف ثابت ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ سماج موقی کا عقیدہ قرآن و حدیث کے خلاف ایک مشرکانہ عقیدہ ہے اور یہ کہ اس کے رد میں صحابہ کرامؓ کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق یک زبان ہیں "ان کے اندر کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ صحابہؓ کے درمیان اختلاف کی بات محض ایک جنگ آمیز موشگافی اور آخرت سے بے خوف مولویانہ چالاک کا شائبہ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ یہ دیوبالائی نظام اور اس کے سرپرستوں کی مخالفت کے لیے ان کے پرستاروں کی تمناؤں پر مبنی ریت کی دیوار ہے۔ غالباً ایسے ہی بوڑھے سماروں پر گھڑے لوگوں کے لیے اللہ کی کتاب تیسرا فرمائی ہے۔

تِلْكَ آيَاتُهُمْ ۖ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ كُنْتُمْ حٰقِّقِيْنَ (البقرہ)

(۲) اسی طرح لوگوں کی آہ و بکا کرنے پر مردوں کو عذاب کے بارے میں جب عبد اللہ بن عمرؓ اور عمرؓ کی روایات کا ام المؤمنین سے ذکر کیا گیا تو آپ نے روایات کا صحیح مقصود قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان فرمادیا۔ ابن عباسؓ نے عمرؓ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جب عمرؓ کو فحشی کیا گیا تو حبیبہؓ آہ و بکا کرنے لگے۔ عمرؓ نے انہیں منع کیا اور کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کو البتہ اس کے بعض اعزہ کے رونے کے سبب عذاب دیا جاتا ہے۔" ابن عباسؓ نے ان کی وفات کے بعد اس واقعہ کا ذکر عائشہؓ سے کیا تو انہوں نے کہا "اللہ عزوجل پر رحم فرمائے۔ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یہ نہیں ہے کہ میت کو اس کے عزیزوں کے رونے کے سبب عذاب دیا جاتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کافر کی میت پر ان کے رونے کے سبب عذاب زیادہ کر دیا جاتا ہے۔" پھر ام المؤمنینؓ نے اپنے اس موقف کے ثبوت میں قرآن کی آیت تلاوت فرمائی "وَلَا تَحْزَنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا" (یعنی کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا)۔ ابن عباسؓ نے ام المؤمنین کی بات ابن عمرؓ کے سامنے بیان کی تو انہوں نے خاموشی اختیار کی یعنی اس وضاحت سے اتفاق کیا۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)۔

۵۔ آیات و روایات کی تشریح تو صحیح تصومیں قطعہ کے مطابق کی جائے گی۔ قرآن و حدیث میں اس پر بے شمار مثالیں موجود

ہیں 'یہاں صرف چند بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں جو اس اصول کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ احادیث صحیحہ قرآن مجید و فرقان جمیعہ کی تفسیر (تائید و تشریح) کرتی ہیں نہ کہ کلام اللہ کی تردید (العیاذ باللہ)۔ اہل علم میں یہی اصول کار فرما رہا ہے اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی درج بالا مثالیں بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ اب یہ ان مدعیان "حیات فی القبر" کی مجبوری ہے کہ ان کو اپنے اور اپنے بزرگوں کے عقیدے کی تائید میں نہ تو کوئی قرآن کی آیت ملتی ہے اور نہ صحیح احادیث بلکہ ان کے پاس منکر و موضوع روایات کافی ہیں۔ جب ان کو سمجھایا جاتا ہے کہ عقائد کا رد و اقرار تو محکم آیات قرآنی پر ہی ہونا چاہیے اور احادیث صحیحہ اس کی تائید و تشریح میں پیش کی جانی چاہئیں۔ قصور کا قرآن و حدیث کے خلاف مفہوم اخذ کرنا مناسب نہیں کیونکہ یہ تو قرآن و حدیث کے افکار کے مترادف ہو گا تو بات سمجھنے کی بجائے ہٹ و مہر کی ساتھ فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں کہ آپ ہذا اب قبر نہیں مانتے آپ صحیح احادیث کو نہیں مانتے۔ آخر ہمیں تاویل و تشریح کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ لیکن دلچسپ بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اس اصول اور موقف پر جتنے بھی ہمیں 'مثال' کے طور پر جب ہم ان کے سامنے صحیح بخاری کتاب الرقاق، باب التواضع کی روایت پیش کرتے ہیں جس میں علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میرا بندہ برابر تو داخل گھر رہے مجھ سے اقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے" آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے" ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے" میں بن جاتا ہوں جس سے وہ پھنسا ہے۔"

اب اگر ان سے کوئی پوچھے کہ کیا آپ اس روایت سے حدیثوں کے نظریہ وحدت الوجود (مطلوب) کی تائید کرنا پسند کریں گے؟ تو فوراً جواب دیں گے ”ہرگز نہیں“ اس کی تاویل کی جائے گی۔ ”ان کو معلوم ہو کہ صوفی تو اسی روایت سے اپنے اور اپنے پیروں کے نظریے ”مطلوب“ کا دفاع کرتا ہے اور یہ ان کے استدلال کی اہم بنیاد ہے۔ وہ بھی تو اسی طرح کہتا ہے کہ آخر ہمیں تاویل کی کیا ضرورت ہے!! ان کے طرز استدلال کی بے اعتنائی ثابت کرنے کے لیے تو یہ تقابل کافی ہونا چاہیے، لیکن ہم قرآن سے بھی اس کی مثال پیش کئے دیتے ہیں تاکہ چون و چرا کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے عزم و جدوجہد سے فرمایا۔

○ وباربيت انوسيت ولكن العلم موسى ج. (الطال-ا)

(اے نبی! جس وقت تم نے کفریوں کی پھینکی تھیں، وہ تم نے نہیں جانتی بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔۔۔)

کیا موصوف اس آیت کا وہ مفہوم لیں گے جس سے "عاشقانِ رسول" کے عقیدے کی تائید و تصدیق ہو اور "مرد" اور "عجم" کا فرق باقی نہ رہے؟ (العیاذ باللہ!)۔ شاید یہ بدعینان "حیات فی القبر" اس سے اتفاق نہ کریں، مزید ملاحظہ فرمائیں۔ اسی آیت کے پہلے حصہ میں فرمایا:

○ لَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ (الأنفال: ٢٤)

۵۱ (اے مومنو!) تم نے کفار کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا تھا۔

یہاں بھی موصوف کو نظریہ ”حلول“ سے بچنے کیلئے آیت کی تشریح قرآن وحدیث کے مطابق ہی کرنا چاہئے گی۔ مزید ملاحظہ ہو ”سورۃ الحج“
اللہ تعالیٰ نے ”بیعت رضوان“ کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا:

○ ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله ، يد الله فوق ايديهم (التح)

”اے نبی! جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ ہی سے بیعت کر رہے تھے ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا“

یہاں یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام اور مومنین عداوت کی سر فوہشی اور جان نثاری کے والہانہ انداز کی انتہائی فصیح و بلیغ ادبیات انداز میں قدروانی فرمائی ہے اور یہ محبوب بندوں کی سنگیم کاوش انداز ہے جو بخاری (کتاب المقاتلہ) کی محاورہ بالا عبارت میں ملتا ہے۔ یہ حال ایسا تو ان کو اس اصول کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ آیات و روایت کی تشریح و تاویل نص قطعی کے مطابق ہو نا ضروری ہے ورنہ گمراہی کا شدید خطرہ ہے۔ ہماری توقع کے مطابق اگر یہ اس سو قف کو بخوشی تسلیم کر لیں تو پھر ان سے

یہاں یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام اور مومنین حضرات کی سرفروشی اور جان نثاری کے والہانہ انداز کی انتہائی فصیح و بلیغ ادبیات انداز میں قدروائی فرمائی ہے اور یہ محبوب بندوں کی حکیم و کاوی انداز ہے جو بخاری (کتاب الرقاق) کی محولہ بالا عبارت میں ملتا ہے۔ یہو حال اب تو ان کو اس اصول کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ آیات و روایت کی تشریح و تاویل نص قطعی کے مطابق ہو تا ضروری ہے ورنہ گمراہی کا شدید خطر ہے۔ ہماری توقع کے مطابق اگر یہ اس سہوقف کو بخوشی تسلیم کر لیں تو پھر ان سے

درمندانہ گزارش ہے کہ موضوع و منکر روایات کی بنیاد پر اختراع کردہ عقیدہ "عور روح" یا "حیات فی القبر" سے رجوع کر لینے کی اپنے اندر ہمت پیدا کریں کیونکہ یہ قرآن و حدیث کے نصوص و کلیات کے یکسر خلاف ہے "اور قبر پرستی کی شکل میں بہت پرستی کے دین کی بنیاد ہے۔ چنانچہ قرآن و حدیث کی قطعاً میں تطبیق کے غیر متنازعہ اصول کے مطابق ایسا کیسا اور مضبوط موقف اختیار کریں جو کسی طرح بھی کفر و شرک پر مبنی نظریات کا موئید نہ ہو۔ اس طرح حق کی حمایت میں اس کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں اور بے دریغ و گمراہی پھیلا پھیلنے والے طوائفیت کا دفاع کرنے کی بجائے ان سے ہر بات کا اتمام کریں "دین خالص کا یہی تقاضہ ہے۔ یہ بات آج نہ سمجھے تو کل سمجھنا سو دیر نہ ہو گا اور "ہل الی خروج من سہیل...." کی درخواست قبول نہ کی جائے گی۔ شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات۔ بسورت دیکھو ان کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ یہ "ذوالوجہین" دہرے معیار کے حامل ہیں قرآن و حدیث کے مطابق تاویل و توضیح کو اسی حد تک ضروری خیال کرتے ہیں جب تک کہ ان کے اکابرین کے عقائد پر چوٹ نہ پڑے۔ جب اکابرین کا معاملہ درمیان میں آجائے تو یہ موضوع و منکر روایات کو محکم آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ پر ترجیح دینے میں ذرا بھی ہجرت محسوس نہیں کرتے۔ چنانچہ "طلول" کے عقیدہ کو روکنے کے لیے آیات و روایات کی صحیح تاویل و تشریح پر مدد سے زور دیتے ہیں لیکن جب معاملہ "حیات فی القبر" کا ہو تو ظاہر و الفاظ کو ہی دانتوں سے پکڑتے ہیں اور اس باطل عقیدہ کی حمایت و مدافعت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ یہ اس بات کو مانیں یا نہ مانیں لیکن ہم اس کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ جس طرح تصوف کے شاہکار وحدت الوجود (طلول و شہود) نے امت کے اندر فساد و بربادی پھیلائی ہے۔ اسی طرح عقیدہ عور روح یا حیات فی القبر نے قبر پرستی کی عمارت کو استوار کر کے دین و ایمان کا جنازہ نکال دیا ہے! اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ دونوں نظریے ایک ہی پالنے میں یہ دو ان چڑھے ہیں "ایک ہی جڑ (شرک) سے نکلے ہوئے شجر شیطانی دو شاخیں ہیں۔

۱۔ یہ نفس پرست مقلدین: روح بالاسطورہ میں یہ بات کچھ تفصیل سے آچکی ہے کہ ان فرقہ پرستوں کا اصل مسئلہ عذاب قبر نہیں بلکہ اس مردہ بابا کو زندہ رکھنا ہے تاکہ قبر پرستی کا کاروبار چلتا رہے اسی لیے اس دین کے علمبردار یہ انداز اپناتے ہوئے ہیں کہ قرآن و صحیح احادیث پر مبنی صحیح موقف اختیار کرنے کے بجائے ائمہ خلافت کے ایجاب کو باطل عقیدہ سے چمٹے رہیں اور حتی المقدور اس کے دفاع میں سرگرم رہیں۔ انہی میں ایک مسعود احمد صاحب بی۔ ایس۔ سی ہیں جو جماعت المسلمین کے نام کو اپنی شہرت کا ذریعہ بناتے ہوئے ہیں۔ ان کے عقائد اور ان کا انداز فکر و عمل تقریباً "مسلک اہل حدیث کی طرح ہی ہے۔" محض نام تبدیل کر کے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ انہوں نے کوئی بڑا کارنامہ کر دکھایا ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر قرآن عزیز جلد پنجم میں سورۃ ابراہیم کی تفسیر میں عذاب قبر کے حوالے سے طویل بحث کی ہے "اس کا یہاں اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے لیکن اس سے قبل یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مسعود صاحب ایک طرف تو یہ اصول بیان کرتے ہیں کہ صحیح سند سے آنے والی روایت کا متن قرآن کی محکم آیت کے خلاف ہی کیوں نہ محسوس ہو اس کی تاویل و تشریح کرنے کی ضرورت نہیں "الفاظ سے ہی مفہوم لیا جائے۔ لیکن خود بوقت ضرورت حدیث کی مختلف تاویلات کرتے ہیں اور بجائے تاویل کے "تطبیق" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ (اس کی متعدد مثالیں ان کی کتابوں سے پیش کی جاسکتی ہیں) تاویل و تشریح تو ہوتی ہی تطبیق کے لیے ہے لیکن یہ جداگاتہ اصطلاح استعمال کر کے اپنے لئے جواز پیدا کر لیتے ہیں اور بڑے غم خویش سمجھتے ہیں کہ یہ تاویل کرنے میں حق بجانب ہیں۔ کیسی بڑا الجھی ہے یہ کہ اپنے لیے ایک معیار ہے تو دوسروں کے لیے دوسرا معیار!۔ حتم بالائے حتم یہ کہ کبھی کبھی اپنے متعدد کے حصول کے لیے حدیث کا ترجمہ تک بدل ڈالنے میں تامل نہیں کرتے "اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

مکرر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہر روز صبح کی نماز پڑھ لی وہ اہل رزق میں ہے۔
ایک شخص نے کہا میں نے اس حدیث کو سنا ہے کہ اگر کوئی روزانہ سورۃ الفاتحہ پڑھے اس کا اجر ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ ہر روز رزق عطا فرمائے۔

[illegible]

غذا بن جاتے ہیں یا کسی میونیم کی نہشت سما کسی قبریات و مطالعے کے لیے یا لوگوں کی عبرت نگاہی کے لیے (قراعت کی میاں کی طرح) یا کبھی لاشے پوسٹ مارٹم کے لیے قبر سے نکال لیے جاتے ہیں۔ جن لاشوں کو یہ گڑھا ملتا بھی ہے تو وہ کچھ عرصہ کے بعد اس گڑھے میں گل سڑ کر مٹی ہو کر مٹی میں مل جاتے ہیں (سوائے عجب الذنب کے)۔ لاشوں کا گل سڑ کر مٹی میں مل جانا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اس کا انکار کرنے والا بھی بلاشبہ کافر ہے۔ اب یہ مدعیان حیات فی القبر ذرا اس بات پر فیر جائیداد رائے غور کر لیں کہ کیا یہ عذاب و راحت کا معاملہ کچھ مخصوص لوگوں کے ساتھ ہی ہوتا ہے (جن کو یہ زمینی گڑھا ملتا ہے) اور کیا یہ صرف محدود مدت کے لیے ہوتا ہے یا مکمل سڑے لاشوں اور مٹی میں ملے قورات کے ساتھ بھی ہوتا رہتا ہے۔ قرآن وحدیث سے تو یہ ثابت ہے کہ یہ معاملہ سب کے ساتھ ہے "انبیاء و شہداء اور صلحاء کے لیے جنت کی راحتیں اور فاسقوں کے لیے آگ کا عذاب قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ شہداء کے اڑنے والے قالب کا ذکر حدیث میں موجود ہے اور عمرہ بن لُحی الخواصی کے استخوان والے جسم کا بھی بخاری میں ذکر ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ یہ سلسلہ عذاب و راحت قیامت تک جاری رہے گا جبکہ اللہ تعالیٰ عجب الذنب پر دوبارہ جنم بنا کر اس میں روح ڈال کر اٹھا کر اکرے گا اور حساب و کتاب کے لیے میدانِ حشر میں جمع کرے گا۔ تو کیا ان اندھے سقندین کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ انبیاء شہداء اور صلحاء کے جتنی جسموں کا کیا عمرو بن لُحی الخواصی اور قراعت و قیرہ کافروں و مشرکوں کے اجنبی جسموں کا ان ارضی قبروں کے گٹھے سڑے لاشوں اور مٹی میں ملے ہوئے قورات سے قطعا کوئی تعلق نہیں اور تعلق ہو بھی کیسے سکتا ہے وہ عالم برزخ میں ہیں اور یہ ان دنیاوی قبروں میں نہ۔ یاد رکھیے رب قوا الجلال کی بات "ومن ورائہم یوم یوم یومون" ہر گز غلط نہیں ہو سکتی۔ اس کے خلاف عقیدہ و موقف اپنانے والے بلاشبہ جھوٹے ہیں اور شیطان کے آلہ کار۔ ان کے اندھے سقندین نفس پرستی کا شکار کبھی تو موضوع و منظر روایات کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی صحیح احادیث کی غلط تاویلات کا۔ اس کا مختصر جائزہ درج ذیل سطور میں پیش کیا گیا ہے ملاحظہ ہونے۔

۱۔ صحیح حدیث کی صحیح تاویل: سواء السبیل سے بچنے والے ان مدعیان حیات فی القبر کی دشواری یہ ہے کہ قرآن و صحیح احادیث سے رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے اپنے اکابرین کے باطل عقیدے کے دفاع میں موضوع و منکر روایات کو وائٹول سے پکڑتے ہیں اور اپنے استدلال کی بنیاد بناتے ہیں اور پھر صحیح روایات کی غلط تاویل کے ذریعے باطل موقف کو تقویت پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ مسعود احمد صاحب نے اسی کوشش میں مذکورہ تفسیر کے صفحے کے صفحہ سیاہ کر دئے ہیں۔ مثال کے طور پر ص ۳۵ پر بخاری کی درج ذیل روایت پیش کر کے اس کو ارضی قبر میں عذاب و راحت کی دلیل بناتے ہیں:

○ ان العبد اذا وضع فی قبره وتولى عنه أصحابه.....

(جب بندہ اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے اصحاب اس سے پیچھے موڑتے ہیں.....)

اسی طرح ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

○ اذا دخل الانسان قبره..... (جب انسان قبر میں جاتا ہے.....)

اس قسم کی روایت سے قرآن وحدیث کے خلاف ارضی قبر میں عذاب و راحت کے لیے "مور روح" کے نظریے کا استنباط کرنا سراسر حماقت ہے۔ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا کہ ان کی اکثریت کو نہ یہ گڑھا ملتا ہے نہ دفن کرنے والے اصحاب جن کے جوتوں کی چاپ (یہ مردے) سن سکیں تو کیا وہ سب سوال و جواب و عذاب و راحت کے مرحلے سے مستثنیٰ ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ یہ نہ تو ارضی قبر میں رکھے گئے نہ داخل ہوئے۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ اسی وقت یہ معاملہ شروع ہوتا! نہیں ہرگز نہیں۔ توح علیہ السلام کی پوری قوم پانی کے طوفان میں غرق کردی گئی کسی ایک کی بھی ارضی قبر نہ بنی لیکن وہ عذاب سے نہ بچ سکے۔ مالک ذوالجلال کا فرمان کہ "انھو قوا فادخلونا والہ" (روح رکھے گئے اور آگ میں ڈال دئے گئے) یعنی ادھر غرق ہوئے ادھر آگ میں ڈالے گئے (آخر تاخیر و توقف کے)۔ قوم

نوح کے مہرؤں کو نہ ارضی قبریں ملیں نہ دکنہ کرتے والے ملے جن کے پیروں کی وہ چاہت تھی۔ اسی طرح ایک بڑی اکثریت کو جلا دیا جاتا ہے۔ اکثر دستوں پر تدفین اور بحری جانوروں کی تدفین جانتے ہیں وہ کس کے پیروں کی چاہت تھی؟ کیا فوری طور سے ان کی قبریں جانوروں کے پیٹ میں گئے؟ جیسے ہوئے لاشوں کے منتشر ذرات کی ارضی قبر تو "موجودہ" نہ رہی بلکہ "معدوم" ہو گئی اسی طرح قوم نوح کے مہرؤں کی ارضی قبر بھی معدوم ہو گئی۔ مسعود احمد صاحب کی لفاظی اور استدلال کی بے بضاعتی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

"بندہ ارضی قبر میں رکھا جاتا ہے اور یہ حقیقت ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کسی وہ سری قبر کے وجود کا

کوئی قرینہ نہیں۔ مہرؤں قبر کے ہوتے ہوئے غیر موجود بلکہ معدوم قبر کا تصور قطعاً باطل ہے۔" (نفس ۱۶۵)

ان کو حقیقت کا علم اس قدر ہونا چاہیے کہ ہر بندہ ارضی قبر میں نہیں رکھا جاتا لیکن ہر ایک کے لیے قبر اور ہر فاسق و فاجر کے لیے عذاب قبر مقدم ہے۔ یعنی بڑی روح کے لیے موت اور ہر مرتے والے کے لیے قبر لازم ہے اور یہی حقیقت نفس الامر ہے چنانچہ فرمایا:

○ ثم انما القبر... (۱۶۵) (پھر انسان کو موت دی اور ساتھ ہی قبر دی جاتی ہے)

در اصل یہ ہے وہ حقیقی قبر جو ہر ایک کے لیے مقدم ہے اور جو مرتے کے فوراً بعد مل جاتی ہے اور یہ موت کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ ارضی قبر تو یہ دنیاوی گڑھا ہے جو ہر ایک کو نہیں ملتا۔ حدیث کے مطابق جو لوگ کی چاہ کا معاملہ سوال و جواب اور عذاب و راحت کا معاملہ اسی حقیقی قبر میں ہوتا ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا خواہ ارضی قبر میں ہو یا نہ ہو اور یہی بھی ہو تو حوادث و دوراں کی تدریج ہو جائے۔ اصل قبر عالم برزخ میں ہے کیونکہ مرتے کے بعد اس دنیا سے تعلق یکسر ختم ہو جاتا ہے اور مرتے کے بعد کے تمام احوال انبیاء شہداء و صالحین اور فاسقین کے عالم برزخ کے احوال ہیں جن کا دنیا اور اس کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا بخاری کی درج بالا روایت میں مذکور واقعات کا تعلق عالم برزخ سے ہی ہے۔ چنانچہ محدثین نے چاہتے کے الفاظ کی جو وضاحت کی ہے اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ محض کنایہ ہے اور قبر کا معاملہ واقع ہونے کی قبلت کی طرف اشارہ کرتا ہے تو بعض نے اس سے فرشتوں کے پیروں کی چاہ مراد لیا ہے۔ الغرض اس سے ارضی قبر میں حیات اور سوال و جواب ثابت کرنا سخت جہالت و جہت و مہرہ ہے اور قرآن و حدیث کے منکر خلاف ہے۔ اسی طرح م ۳۸ پر موصوف نے مسلم کی ایک روایت پیش کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

"ان هذه القبور..." (بے شک یہ قبریں اندھیروں سے پر ہوتی ہیں۔۔۔)

اس روایت سے موصوف نے بڑے ذور و شور سے یہ استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے "ان هذه القبور" کہہ کر گویا قبر کو متعین فرما دیا ہے حالانکہ یہ محض عہد قہنی کا معاملہ ہے (یعنی وہن میں موجود شے یا شخص کے لیے اشارہ قریب استعمال کر لینا جبکہ وہ قریب نہ ہو لیکن غنہ والا مضموم کو سمجھ لے)۔ اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ بخاری کی روایت کے مطابق ہر قیل والی روم نے کہا تھا:

○ انی سائل ہنا عن هذا الرجل

(میں اس شخص یعنی ابوسحیان سے اس شخص یعنی محمدؐ کے بارے میں پوچھوں گا۔)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اس وقت روم سے تنگنوں میں دو رعد میں تھے لیکن ان کے لیے گفتگو میں اشارہ قریب "ہنا" استعمال کیا گیا۔ الغرض روایت میں آئے ہوئے لفظ "ہنا" سے اپنے مطلب کا مضموم اخذ کر لیتا ہے قریب جہالت ہے اور فہم حدیث کے فقدان کی علامت۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "عذاب برزخ" ڈاکٹر عثمانی ص ۲۲ اور ایمان خالص قسط دوم ص ۲۳-۲۴)۔ البتہ اس سے ان کے استدلال کی بے بضاعتی ثابت ہو جاتی ہے کہ کس طرح باطل موقف کی تقویت کے لیے تنکوں کا سارا لیتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ گمراہی سے اپنے آپ کو بچائیں اور صحیح سند سے آئے والی روایات کی تشریح و توضیح قرآن و حدیث کی روشنی میں کریں۔ قرون اولیٰ سے اہل علم نے پیش ہی انداز اختیار کیا ہے۔ بعض روایات کے معاملہ میں تو یہ مدعیان حیات فی القبر بھی اس اصول کو اپناتے رہے جیسے کہ

ادھر اس روایت کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ جس میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ مومن بندہ کا ہاتھ بن جاتا ہے پاؤں بن جاتا ہے وغیرہ (بخاری کتاب الاطعمہ) اسی طرح ایک دوسری روایت ہے جس میں سرور کے چار پائی پر یا کاندھے پر بیٹے کا ذکر ہے جس کے الفاظ تو ان کے عقیدہ کے بھی خلاف ہیں۔ ان تمام روایتوں کی یہ سب ہی تاویل کرتے ہیں اور کوئی بھی بیحد الفاظ سے مغموم ائمہ نہیں کرتا پھر ان کو ان چند روایات کی صحیح تاویل کر کے قرآن کے ساتھ تطبیق پیدا کر لیتے ہیں نہ معلوم کیا قباحت محسوس ہوتی ہے کہ اس کے بعد تو یہ اشکال کا لہجہ ہو جاتا ہے اور یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سوال و جواب اور عذاب و راحت کا مقام برزخ ہے نہ کہ یہ ارضی قبر۔ اس مسئلہ حقیقت کی تائید میں بے شمار واقعات احادیث میں مذکور ہیں جن میں سے چند یہاں پیش کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

I۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں جس جگہ مسجد نبوی تعمیر ہوئی وہاں مشرکوں کی قبریں تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ان قبروں کو اکھاڑ دیا جائے (بخاری)۔ غور فرمائیے کہ اگر ان ارضی قبروں میں عذاب و راحت ہو رہا ہو تا تو ان کو اکھاڑنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مشرکوں پر عذاب قسم کرنا تو مقصود تھا سوچئے کی بات ہے کہ کیا قبریں ختم ہونے کے بعد وہ مشرک عذاب سے بچ گئے؟ ظاہر ہے کہ ان قبروں کا یا ان میں مدفون لاشوں کا عالم برزخ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا پس و پیش ان کو ختم کرا دیا۔

II۔ صحیح بخاری میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے کہ جب وہ اسلام لایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب مقرر ہوا۔ پھر وہ مرتبہ ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا کرنے لگا۔ جب اس کی موت واقع ہوئی اور اس کو دفن کیا گیا تو دوسرے روز اس کی لاش قبر سے باہر پڑی مٹی پھر دفن کیا گیا پھر لاش قبر سے باہر پڑی مٹی۔ تین مرتبہ دفن کیا گیا اور تینوں مرتبہ زمین نے اسے باہر نکال کر پھینک دیا۔ کیا یہ مرتبہ لاش باہر نکلنے کے بعد عذاب قبر سے بچ گیا؟ کیونکہ ان کی مڑھومہ قبر نے تو اسے باہر پھینک دیا۔ ہرگز نہیں! نہ تو یہ مرتبہ عذاب قبر سے بچا نہ وہ مشرکین بچ سکتے ہیں جن کی قبریں مسمار کر دی جاتی ہیں اور پرانی قبروں کی جگہ نئی قبریں بنادی جاتی ہیں۔ سعودی عرب میں تو ایک قبر میں کئی کئی لاشے دفن کئے جاتے ہیں اور پھر کیمیائی عناصر کے ذریعے لاشوں کو تحلیل کر کے قبرستانوں کو بار بار استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ان قبروں میں ان لاشوں کو ہی زندہ کر کے عذاب و راحت ہو تا تو یہ قبر کے لاشے کیمیائی عناصر سے تحلیل نہ کئے جاتے۔

الغرض نہ تو قبر مسمار ہونے کی وجہ سے کوئی عذاب قبر سے بچ سکتا ہے اور نہ پوسٹ مادی غم و غیور کے لیے لاشے باہر نکلنے کی وجہ سے عذاب قبر میں تاخیر و قطل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عذاب و راحت کا مقام برزخ ہے یہ گڑھا نہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ معاملہ مرنے کے بعد فوراً شروع ہوتا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ چنانچہ خواب والی معراج کی جو روایت امام بخاری لائے ہیں اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ عذاب میں مبتلا دکھائے گئے اور ان کو بتایا گیا کہ:

"بفعل مدالی يوم القيامة" یعنی ان کے ساتھ یہ معاملہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ (بخاری)۔

خبر ہے کہ مسعود احمد صاحب عذاب قبر کی بحث میں اس حدیث کو حسیں لائے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کو نبوی توہیقہ سمجھتے ہوں گے لیکن شاید ان کو یہ اندازہ بھی ہو گا کہ یہ روایت ان کے ارضی قبر کے عقیدے کے صریحاً خلاف ہے۔ بہر حال "درج بالا واقعات و مشاہدات سے بھی اس باطل عقیدے کی صریح طور سے تردید ہو جاتی ہے۔

دراصل ان مدعیان حیات فی القبر کے لیے ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ قرآن نے تو دو ٹوک انداز میں دو باتوں اور دو ذمہوں کو ثابت کر دیا ہے "لہذا یہ تعمیری زندگی تو صریحاً خلاف قرآن ہے۔ ان کے اکابرین تو اس مسئلہ کو مختلف انداز میں کھماتے رہے ہیں لیکن نام نہاد جماعت المسلمین کے مسعود احمد صاحب نے ایک عجیب ہی مفاقت آمیز موقف اختیار کیا ہے۔ اپنی محولہ تفسیر کے صفحہ ۶۶۷ پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دوسری زندگی یہ ارضی قبر کی زندگی ہی ہے نہ کہ قیامت کے دن کی چنانچہ ان کے بقول "روح کو لاشے

میں ڈال کر پھر نکالا نہیں جاتا۔ بالفاظ دیگر روز قیامت مردے کو زندہ کر کے بڑا اٹھایا جائے گا بلکہ پہلے سے زندہ کو ہی اٹھا کر نکالا جائے گا! چہ خوب! ملاحظہ فرمائیے۔ انہوں نے مردہ لاشے کو زندہ کر کے بڑے علم خویش اپنے آپ کو دو سو سووں 'درو زندقہ' کی قرآنی نظریے کی تردید کے الزام سے تو بچایا لیکن یہ ت سوچا کہ اس مسئلہ خیر انداز کو اختیار کر کے قرآن کی کتنی آیات اور کتنی صحیح احادیث کو یہ یک جنبش قلم رو کر ڈالا یا حسرت علی العباد! افسوس صد افسوس! یہ نفس پرست مقلدین اپنے "بیروں" کے وقار کے دفاع کی خاطر دنیاوی دنیاہات کو شش میں کتاب اللہ کی آیات کے مستتر سے بھی باز نہیں رہتے اور اس دھن میں ان کو اپنے نادان پیروکاروں پر اپنے علمی غنا کا زعم رب ذوالجلال کی پکار سے بھی بے خوف رہتا ہے۔

یہ اپنے باطل نظریے کے دفاع میں ارضی قبر میں مردے کو عید کے لیے زندہ کر کے قرآن کی کتنی آیات کے کفر کے مرتکب ہو گئے ہیں! ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ "اموات غیر احیاء" (یہ مردہ ہیں، زندہ نہیں۔ ۱۱۱/۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ (لوگ جن کو حاجت روا کی کے لیے پکار رہے ہیں، وہی دہل و فیہو) یہ مردہ ہیں، زندہ نہیں لیکن اس کے برعکس ان کا گنا ہے کہ "یہ زندہ ہیں، مردہ نہیں" (یعنی ان کے بیروں کی بات سچی اور اللہ کی بات خلاف "سعاذ اللہ!)

۲۔ "انما نحن نفی الموتی۔" (بے شک ہم مردوں کو زندہ نہیں کرتے۔ ۱۱۱/۲)

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان تو یہ ہے کہ (یہ مردے قیامت تک مردے رہیں گے، پھر روز قیامت) ہم ان مردوں کو ہی زندہ کریں گے لیکن اس کے برخلاف ان کا اصرار ہے کہ یہ زندہ ہیں اور زندہ ہی رہیں گے! کو کیا کہ اللہ تعالیٰ سے غلطی ہو گئی ہے جس کی ان کے بزرگوں نے تصحیح فرمادی ہے! (سعاذ اللہ!)

۳۔ "الم نجعل الارض کفنا للاحیاء وامواتا"

کیا ہم نے مردوں اور زندوں کو سمیٹنے کے لیے زمین کو کافی نہیں بنایا ہے؟ (۱۱۱/۳)

اللہ تعالیٰ نے تو مردوں اور زندوں دونوں کا ذکر فرمایا ہے لیکن ان کے عقیدے کے مطابق سب ہی زندہ ہیں (ہر مردے والا چند لمحوں بعد ہی زندہ ہو جاتا ہے) کچھ زمین کے اوپر ہیں تو کچھ زمین کے اندر۔ ملاحظہ فرمائیے کیسا تضاد ہے رب ذوالجلال کے فرمان اور ان نفس پرست مقلدین کے موقف میں! اختصار کو یہ نظر رکھتے ہوئے یہاں چند آیات ہی پیش کی گئی ہیں، مزید کچھ آیات کے حوالے دئے جاتے ہیں جن میں موت اور زندگی دونوں ہی کا ذکر ہے:

الانعام ۳۶، الاعراف ۷۵، الحج ۵، الروم ۵۵، الشعراء ۷۹، فصلت ۴۳، الشوریٰ ۹، الاحقاف ۳۳، التیبارہ ۴۰۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ خود مسعود احمد صاحب اپنی تفسیر کی اسی جلد کے صفحہ ۶۶۶ پر سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر ۶ کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں:

"تو کیا اسے نہیں معلوم کہ قبول میں جو (مردے دفن) ہیں جب انہیں (زندہ کر کے) باہر نکالا جائے گا"

ملاحظہ ہو یہاں قبول والے کو زندہ کر کے اٹھایا جا رہا ہے۔ اب اگر وہ زندہ ہی ہے، مردہ نہیں تو پھر "زندہ کر کے" اٹھانا چہ سخی و اربو!۔ سوئے کو چکا کر اٹھایا جاتا ہے "جائے ہوئے کو تو کوئی نہیں جگاتا" نظر آ گیا محاورے کے طور پر اس طرح کہہ دینے کی بات اور ہے "اس کو دلیل نہیں بتایا جاتا۔ موصوف کے درج بالا مرتبے نے یہ ثابت کر دیا کہ مردہ کا قیامت تک قبر میں مردہ رہنا اور قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھایا جانا ان کے لا شعور میں موجود ہے۔ جس کا افساد ان سے لا شعوری طور پر ہو گیا ہے۔ کبھی کبھی حقیقت نفس الامر کے صریح انکار کرنے والے بھی نادانستہ اور لا شعوری طور پر اعتراف حق کا اظہار کر جاتے ہیں۔ اس کی ایک اور مثال ان کی اسی تحریر سے پیش کی جائے گی۔ مذکورہ تفسیر

میں موصوف نے ارضی قبر میں حیات ثابت کرنے کے لیے منکر روایات و لاکھ کے طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ گویا انہوں نے اپنا موقف کماحقہ ثابت کر دیا ہے اور اب یہ اس سلسلہ میں اٹھائے گئے اعتراضات و اشکالات بھی رفع کریں گے۔ لہ اشکالات تو کیا رفع کرتے البتہ حیات فی القبر کے خلاف دلائل و اعتراضات کو اشکالات کا روپ دے کر اپنے زعم میں ان کے جوابات دیتے ہوئے موصوف نے خلاف قرآن باطل موقف کو حق ثابت کرنے کی کوشش میں جو لغافی قربانی ہے وہ تو انہی کا حصہ ہے، لیکن کہیں کہیں یکٹھ بھی بات کہنے پر بھی مجبور ہو گئے ہیں۔ قبر کی کشادگی کے مسئلہ پر بلا جواب ہو کر کس طرح جان چھڑانے کی کوشش کی ہے ملاحظہ ہو:

”یہ سوال محض عقل کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح قدرت ہے وہ اتنی سی قبر میں بھی گنجائش پیدا کر سکتا ہے اگرچہ ہماری آنکھیں اس کو نہ دیکھ سکیں۔ ہم اس وجہ سے نہیں دیکھ سکتے کہ مرنے کے بعد کے حالات اور ہمارے درمیان ایک پردہ ہے۔ اسی پردہ کو برزخ کہتے ہیں۔“ (تیسری ۶۷۳)

یہ بات قابل غور ہے کہ تمام قبر پرست اپنے نام نہاد دلیلوں (زندہ ہونا یا مرنے) کی مافوق الفطرت کرامات کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہی حوالہ دیا کرتے ہیں۔ لہٰذا برزخ اب اصل مسئلہ پر توجہ کی جائے۔ یہاں موصوف اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ ”مرنے کے بعد کے حالات اور ہمارے درمیان ایک پردہ ہے۔ اسی پردہ کو برزخ کہتے ہیں۔“ یہ انہوں نے بالکل صحیح بات کہہ دی ہے اور اس کا مطلب صاف ہے کہ مرنے کے بعد کے حالات (یعنی عذاب و راحت) اس پردہ کے پیچھے ہیں جس کو برزخ کہتے ہیں۔ پردہ کے پیچھے اس مقام عذاب و راحت کو ہی ”عالم برزخ“ کہا گیا ہے۔ اس طرح موصوف نے تسلیم کر لیا کہ عذاب و راحت کا مقام (پردہ کے پیچھے) عالم برزخ ہے نہ کہ یہ ارضی گزر جا اور اس عالم برزخ کا اس لاشے سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ ہمارے اور اس ارضی قبر یا اس لاشے کے درمیان تو کوئی پردہ ہے ہی نہیں، بالفاظ دیگر ارضی قبر اور لاشہ ”پردہ“ کے اس طرف ہے اور مرنے کے بعد کے حالات (عذاب و راحت) پردہ کے اس طرف یعنی برزخ میں ہیں اور پردہ کے اس طرف اور اس طرف کے حالات و معاملات کا یا ہم تعلق قیامت تک کے لیے منقطع ہے۔ اس طرح نہایت ہی آسان انداز سے یہ ثابت ہو گیا کہ موصوف نے درج بالا اقتباس میں لاشہ کی طور پر عذاب و راحت کا مقام ”عالم برزخ“ تسلیم کر لیا ہے اب یہ ان کو اختیار ہے کہ اس کو شعوری طور سے مانیں یا اپنی مانی ہوئی بات کو خود ہی رد کر دیں۔ یہ تو تھا موصوف کا پہلا اشکال اور اس کے جواب کا انداز۔ دوسرا اشکال ملاحظہ ہو:

”کسی شخص کو شیر نے کھالیا تو اس کی ارضی قبر کہاں بنی کہ اس میں عذاب ہو؟“ (تیسری ۶۷۳)

سوچنے کی بات ہے کہ اس گڑھے میں گھٹے سڑے لاشے کو زندہ ثابت کرنے کی کوشش کرنے والے کے پاس اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے؟ چنانچہ لا جواب ہو کر سوال کو ”فقو“ قرار دے دیا۔ اس اشکال کا سیدھا سا دھاب جواب یہ تھا کہ اس شخص کو شیر کے کھانے سے اس کی موت واقع ہو گئی، روح کو عالم برزخ میں جسم دیا گیا اور موت کے بعد سب معاملہ (عذاب و راحت کا) ”پردہ کے پیچھے“ یعنی عالم برزخ میں وقوع پذیر ہوا ہے، شیر کے پیٹ میں نہیں!!۔ پردہ کے پیچھے عذاب و راحت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی شعوری طور سے اعتراف حق کے لیے ہمت و براہمت کا اظہار ہے، یہ ان کا برہمستی کا ہی تو شاخصانہ ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اشکال کو نونو قرار دینے کے بعد تو اصولاً ”اس پر مزید گفتگو نہ ہونا چاہیے“ لیکن ضمیر نے شاید جھنجھوڑا ہے تو بعد کے صفحات میں متعدد بار اس کی وضاحت کی تا کہ کام کو ختم بھی فرماتے رہے ہیں۔

اب تیسرا اشکال ان کے لیے اور بھی زیادہ پریشانی کا سبب بن رہا ہے، غور فرمائیے!

”اگر قبر میں اسی جسم کے ساتھ زندہ کیا جائے گا تو زندہ کیاں تین ہو جائیں گی ایک دنیا کی، ایک قبر کی اور ایک

آخرت کی۔ حالانکہ قرآن مجید میں صرف دو زندہ ہوں کا ذکر ہے۔“ (غیر ایضاً -)

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے دو مہیوں اور دو زندہ ہوں کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں اور تیسری زندگی کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”لہذا تیسری زندگی بھی کوئی نہیں۔ حقیقی موت کے بعد جو زندگی شروع ہوتی ہے وہ آخرت ہی کی زندگی

ہے“ (تحریر ۶۸)

یہاں اگر بری طرح پھنس گئے ہیں قبر میں پڑے ہوئے لاش کو قیامت تک کے لیے مردہ ماننے کو تیار نہیں!! ان کے اس موقف پر بھی پیچھے تنصیبی بحث ہو چکی ہے دراصل اناستیت اور ہٹ و عمری کی دلدل میں پھنس کر اب ان کی وہی کیفیت ہے کہ

نہ جائے رفیق نہ پاسے ماندان

کیا انہوں نے روز قیامت ”خلق جدید“ کا انکار کر کے اپنے آپ کو ان لوگوں کی قبرست میں شامل تو نہیں کر لیا جن کے لیے فرمایا گیا تھا:

○ ”ہل ہم لی لبس من خلق جدید“ (۵۳)

مگر (قیامت کے دن) ایک نئی تخلیق کی طرف سے یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

یعنی یہ اپنے اکابرین کے اندھے مقلدین قیامت کے دن دوبارہ خلق کئے جانے کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

۴۔ منکر روایات کے ذریعہ استدلال: مسود احمد صاحب نے روح لوٹانے کی دلیل میں کچھ روایات پیش کی ہیں جن میں روح لوٹانے کا ذکر ہے ان میں سے ایک ابو داؤد کی روایت ہے جو دراصل خود ان کے عقیدہ کے بھی خلاف ہے۔ شاید مضمحفوف نے اسے غور سے نہیں پڑھا ورنہ وہ اسے پیش نہ کرتے۔ اس روایت میں مومن کے جسم میں روح لوٹانے کا کوئی ذکر نہیں البتہ کافر کے جسم میں وہ مرتبہ روح لوٹانے کا ذکر ہے، ایک مرتبہ سوال و جواب سے قبل اور دوسری مرتبہ اس وقت جبکہ فرشتہ کے لوہے کی سلاخ مارنے سے وہ مٹی ہو جاتا ہے تو اس کی روح جسم میں پھر لوٹا دی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس روایت سے قبر میں ایک مرتبہ روح نکالنے اور پھر دوسری مرتبہ روح ڈالنے کا اثبات ہوتا ہے یعنی مجموعی طور سے کم از کم ”تین زندگیاں اور تین موتوں“ کا اثبات ہو گیا۔ اب اس روایت کو بطور دلیل پیش کرنے کے بعد ان کا دو موتوں اور دو زندگیاں کو ماننے کا دعویٰ تو خود ان ہی کی دلیل سے باطل ثابت ہو گیا، فاعشہ و اما اولی الابصار!۔ ایسے ہی متن کی روایت مسند احمد کے حوالے سے بھی پیش کی گئی ہے جس کی سند تو وہی ہے لیکن متن میں اختلاف ہے۔ اس میں دو مرتبہ روح لوٹانے کا ذکر نہیں ہے لیکن روح کے مٹی سے پیدا ہونے کا اثبات کیا گیا ہے ملاحظہ ہو۔

... ”فانقول اللہ عزوجل اکتبوا کتاب عبدی لی علیین و اصدوا الی الارض لانی منها خلقتہم و ایاہا اعدتہم

و منها اخرجہم تارۃ اخری... (پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کی کتاب کو ملیں (کے دفتر) میں لکھ دو اور

اس کو زمین کی طرف لوٹا دو یقیناً میں نے ان کو اسی سے پیدا کیا ہے اور میں ان کو اسی (زمین) میں لوٹاؤں گا اور اسی

(زمین) سے ان کو دوسری بار اٹھاؤں گا) (تحریر ۶۹)

یہ روایت بتاتی ہے کہ فرشتے اپنے ساتھ روح کو مٹی سے کھرچتے ہیں اور پھر اسی کو واپس کیا جاتا ہے اور اسی روح کے مٹی سے پیدا کرنے کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ بات نفس قلعی کے سربراہ ”خلاف“ ہے۔ جسم کا مٹی سے ہونا اور مٹی ہو کر مٹی میں مل جانا تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے لیکن روح تو ”من و مرئی“ ہے اس کے مٹی سے پیدا ہونے اور مرنے کے بعد مٹی میں مل جانے کی قرآن یا صحیح حدیث میں کوئی دلیل نہیں بلکہ قرآن تو بتاتا ہے:

فمنسک اتی نفس علیہا الموت... (الزمر)

(اور جس کے لیے موت کا فیصلہ ہو گیا ہو اس کی روح کو اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے)

ملاحظہ فرمایا قرآن حکیم تو فرماتا ہے کہ مرنے والے کی روح کو (قیامت تک کے لیے) روک لیا جاتا ہے لیکن یہ روایت ثابت کرتی ہے اسے مٹی میں ملا دیا جاتا ہے! غور فرمائیے! کیسی منکر اور خلاف قرآن روایات کو عقیدہ کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ ظاہر ہے مسلک پرستی کا حق اس

کے بغیر ادا ہو بھی نہیں سکتا۔ اس روایت کی سند پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ اس کے دو راویوں زاذان ابو عمرو الکلبی اور منہال بن عمرو پر کتب اسلام الرجال میں شدید جرح موجود ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں جمل اللہ شمارہ ۳۳ اور فیضان خالصہ رقم ص ۱۵)۔ (بیرہ امام) ابتداء جلد ۵ ص ۱۸۳) صراحت کے ساتھ اس روایت پر جرح کی ہے:

○ قلت حديثي شان القبر بطول له غير اجماع ولا من زاذان عن البراء
(میں کہتا ہوں کہ اس کی قبر کے بارے میں جو طویل حدیث ہے وہ منکر اور غریب ہے جو کہ یہ زاذان اور وہیراوی سے
روایت کرتا ہے)

کیا یہ روایت اس قاتل ہے کہ اس کو دلیل کے طور پر پیش کیا جائے؟ صحیح ہے۔ آخرت کی جواب دہی سے بے خوف انسان باطل موقف کو ثابت کرنے کے لیے کس طرح ہاتھ پاؤں مارتا ہے؟ اس کی یہ بین مثال ہے۔ اس کے علاوہ اس تفسیر میں ابن ماجہ کی بھی دو روایات پیش کی گئی ہیں 'سند دونوں کی ایک ہی ہے لیکن متن میں کافی فرق ہے۔ جسم میں روح لوٹنے کا ان دونوں میں تذکرہ نہیں ہے۔ اس سند کے دو راویوں ابو بکر ابن ابی شیبہ اور شیبہ پر محدثین نے اعتراضات کئے ہیں۔ جب راویوں کے حافظے کا یہ عالم ہو کہ وہ کبھی روایت کو کسی طرح بیان کرتے ہوں اور کبھی کسی طرح تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایسی روایتوں کو قرآن کی محکم آیات کے مقابلہ میں لانا کیسی جہالت اور ہمت عمری ہے! مزید ملاحظہ ہو۔ موصوف نے اپنے کتابچے "مذابہ قبر کہاں ہوتا ہے" میں اعادہ روح کی روایت کی دو اور اسناد بھی پیش کی ہیں ایک اہل حدیث عاصم بن عبد اللہ القزوی کی کتاب "اثبات اعادہ روح" کے حوالے سے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ دونوں اسناد ابو داؤد اور سند احمد کی سند سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔ ایک سند اس طرح ہے: اخبرنا محمد بن يعقوب بن يوسف حدثنا محمد بن اسحاق الصغار ناانا ابو النضر باشم بن القاسم حدثنا عيسى بن المسيب عن عدي بن ثابت عن البراء۔ ان پر جرح ملاحظہ ہو:

عيسى بن المسيب الكوفي: عيسى بن معين 'تمثالی اور وار قطنی کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ ابو حاتم اور ابو زرعہ کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں ہے۔ ابن حبان وغیرہ نے بھی ان پر کلام کیا ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ وہ کوثر کا قاضی تھا، ضعیف ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۲۳)۔

عدي بن ثابت: یہ نہ صرف غالی شیعہ تھے بلکہ شیعوں کے اکر اور ان کی مسجد کے امام بھی تھے۔ وہ مری سند اس طرح ہے: محمد بن مسلم عن خصيف عن مجاهد عن البراء ان پر جرح ملاحظہ ہو:

خصيف بن عبد الرحمن الجعزي: ان کے بارے میں مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔ بعض تو انھیں ثقہ اور "لا باس بہ" قرار دیتے ہیں لیکن اکثر محدثین ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ہر حال 'ایسے راوی سے کوئی روایت بطور حجت پیش نہیں کی جاسکتی۔ ابو حاتم ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ صالح ہیں 'غلطیاں بھی کافی کرتے ہیں۔ ان کے خراب حافظے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ نسائی نے کہا کہ عتاب اور نصیحت دونوں قوی نہیں ہیں۔ ایک مرتبہ صالح کہا۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ "عجی ابن سعید اسے ضعیف قرار دیتے تھے۔ جریر کہتے ہیں کہ یہ مرجئی تھا۔ ابن معین کہتے ہیں کہ ہم اس کی احادیث سے بچا کرتے تھے۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ یہ حجت نہیں ہے۔ ابو احمد الحاکم کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں ہے۔ اندری کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ ہمارے آئمہ کی ایک جماعت نے انھیں ترک کر دیا ہے البتہ بعد والوں نے ان سے حجت لی ہے یہ اچھے آدمی تھے لیکن اپنی روایات میں غلطیاں بہت کرتے تھے۔ احمد بن حنبل نے بھی کہا ہے کہ یہ حدیث کے معاملے میں قوی اور حجت نہیں ہے۔ (متذہب التذہب جلد ۳ ص ۱۲۲ اور میزان الاعتدال جلد اول ص ۹۵) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کس طرح بے حیثیت اور منکر روایات کو باطل موقف کی تائید کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

۹۔ آیات قرآنی کا بے نکل استعمال: مسعود احمد صاحب نے منکر روایات کو استدلال کی بنیاد بنانے کے بعد آیات قرآنی سے کس

طرح اپنے مطلب کا مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی ہے اب اس کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔ موصوف نے مذکورہ تفسیر کے صفحہ ۶۶۵ تا ۶۶۹ پر جو آیات پیش کی ہیں ان سے تو صرف دو باتوں ہی کا اثبات ہوتا ہے یعنی مرنے کے فوراً بعد عذاب قبر واقع ہوتا (سورۃ المؤمن)۔ ۳۵: ۳۶ (سورۃ الانعام) اور انسانی جسم کا مٹی سے بنتا مرنے کے بعد مٹی میں مل جانا اور پھر قیامت کے روز اسی مٹی سے (زندہ کر کے) اٹھایا جانا (سورۃ مدہ ۵۵: ۴۵) اور یہ معاملہ سب ہی کے ساتھ ہوتا ہے خواہ کوئی ارضی گڑھے میں دفن ہو کر گئے 'مڑے' کیڑے کوڑوں کی غذا بن کر مٹی میں ملے یا بحور کے جانوروں کی غذا بن کر یا آگ کی چٹا میں بھسم ہو کر 'انجام کار جسد خاکی کے اجزاء اسی زمین کی مٹی ہی میں مل جاتے ہیں۔ انسانوں اور جانوروں کے اجساد عطری کا مشق بہر حال زمین ہی ہے کوئی اور جگہ نہیں۔ پھر روز قیامت انسان اسی زمین سے اٹھائے جائیں گے 'یہ ایک ایسی مسئلہ اور غیر متنازعہ حقیقت ہے جس سے شاید ہی کوئی انکار کرے 'اس کو ثابت کرنے کے لیے صفحات کے صفحات بحور نکال کر ان کی وائٹمنڈی ہے۔ لیکن موصوف کا گورنامہ تو یہ ہے کہ اس مسئلے کو جگہ - جگہ دہرایا ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کرو کھانے کی کوشش کی ہے کہ عذاب اسی ارضی قبر میں ہو رہا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک قبر کے معنی 'ارضی قبر' ہی ہے خواہ مردے کو چلا دیا جائے یا وہ جانور کی غذا بن جائے اور اس کی ارضی قبر کا کوئی وجود ہی نہ ہو (مثال کے طور پر غرق شدہ قوم نوح)۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا 'قیامت کے دن انسان اسی زمین سے اٹھا کھڑے کئے جائیں گے قطع نظر اس کے کہ ان کے اجزاء جسمانی دور دور منتشر ہو چکے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت سے کوئی چیز یا ہر نہیں فرمایا:

○ لَدَعَلَسَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعَدَلْنَا كِتَابَ حَقِّقْ (ق ۳)

(جو کچھ زمین (ان کے جسم میں سے) کم کرتی ہے وہ ہمارے علم میں ہے۔ ہمارے پاس حفاظت کرنے والی کتاب ہے)

بخاری کی درج بالا روایت میں طریقہ کار کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ 'عجب الذنب' پر انسان کو بٹا دیا جائیگا۔ اس اصول کی پیش نظر۔

○ اَقَامَتْ مَالِ الْقُبُورِ (قبر والوں کو زندہ کر کے باہر نکالا جائے گا) یا

○ وَاَقَامَتْ الْقُبُورَ (سب قبروں کو اکٹھا کر دیا جائے گا)

میں جن قبروں کا ذکر ہے وہ محض یہ چند قبریں نہیں جو آج قبرستان کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں بلکہ وہ تمام قبور مراد ہیں جو شروع سے مٹی اور ہمار ہوئی رہی ہیں۔ اور فی الحقیقت زمین کے چپے چپے پر قبر ہے 'اور قیامت تک تو ایک ایک قبر کی زمین میں بلا مبالغہ ہزاروں لاکھوں ہی دفن ہو چکے ہوں گے 'نہ صرف لاشوں کی شکل میں بلکہ کھائے اور چلائے ہوئے جسمانی اجزاء اور ذرات کی شکل میں۔ قرآن و حدیث سے یہ بالکل واضح ہے کہ قیامت کے دن تو بلاشبہ ہر شخص اپنی ارضی قبر سے اٹھے گا (وہ مقام جہاں عجب الذنب پر اٹھا کھڑا کیا جائے گا) لیکن اس قبر کو آج کی یہ ارضی قبر قرار دے کر موال و جواب اور عذاب و راحت کا مقام تصور کرنا سرا سر ناوانی اور جہالت ہے کیونکہ اس کے لیے تو اسی لاشے میں روح کو ٹھکانا گزیر ہے جو صریحاً 'تغلاف قرآن و حدیث ہے۔ اس کے مفصل و لائق اوپر دئے جا چکے ہیں اور واضح کر دیا گیا ہے کہ روح کو دنیاوی جسم میں قیامت سے پہلے نہیں لوٹایا جائے گا۔ مردوں کو قیامت کے دن زندہ کر کے ارضی قبر سے اٹھایا جائے گا تو قرآن و حدیث سے بالکل ثابت اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے لیکن سوال و جواب اور عذاب و راحت کا مقام یہ لگا ہوں گے سامنے والی ارضی قبر میں بلکہ پردہ کے پیچھے عالم برزخ ہے۔ یہ قرآن و حدیث کا اکل فیصلہ ہے اور کسی حد تک موصوف بھی اس کو تسلیم کر چکے ہیں۔

۱۔ مسعود احمد صاحب کے عقائد و نظریات پر ایک نظر: اب جبکہ مسعود احمد صاحب کا ذکر چل رہا ہے تو مناسب اور بر محل ہو گا کہ ان کے کچھ اور عقائد و نظریات بھی ان کی اپنی کتابوں کے حوالے سے زیر بحث آجائیں تاکہ اتمام حجت ہو جائے:

ع خوشتر آں باشد کہ موبہ راں - گفت آید در حدیث دیگران

ابتداء ان کے کتابچے "ذہن پرستی" سے کی جاتی ہے۔ موصوف بھی بریلوی، دیوبندی اور دیگر فرقہ پرستوں کی طرح سماج موافق کے قائل ہیں (اور کون نہیں جانتا کہ یہ عقیدہ قبر پرستی کی عمارت کا اہم ستون ہے) لہذا یہاں یہ عقیدے کی رزور و کالت کرتے نظر آ رہے ہیں۔ قبل اس کے کہ اس پر کچھ تبصرہ ہو، بطور تمہید یہ عرض کر دینا مناسب ہو گا کہ ڈاکٹر عثمانی سے ایک "قلطی" سرزو ہو گئی (اور فی الحقیقت بڑی ہی مبارک تھی یہ قلطی!) انہوں نے ان نام نہاد "سومنین و صلیبن" اور ان کی تد اور اکابر شخصیات کے چروں سے نقاب ہٹا دی، ان کے عقائد و نظریات کو ان کی اور ان کے معتقدین کی کتابوں کے حوالے سے قرآن و حدیث کے خلاف ثابت کر دکھایا۔ چنانچہ اپنے آپ کو توحید کا علمبردار سمجھنے والوں کے عقائد و نظریات کفر و شرک سے آلودہ پائے گئے۔ دراصل حق کا واضح ہو جانا اللہ کی رحمت تھا اور ان کو دعوت حق کی مومنانہ افغانی ظہری سے پذیرائی کرتے ہوئے اصلاح احوال کی طرف توجہ دینا چاہیے تھی، لیکن پیشہ وارانہ اناٹیت اور "ذہن پرستی" نے عقل سلیم پر غلبہ کیا اور یہ ضد و ہمت و حرمی کے ساتھ بغض و عناد کی روش اپنا کر مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور ہاتھ دھو کر اس منہ مجاہد کے پیچھے پڑ گئے۔ قرآن و حدیث کے خلاف عقائد و نظریات پر جسے رجنے والوں کے پاس دلائل کی توثیق دینی نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ "مخبر القول ضروراً" یعنی خوشنما الفاظ کے ذریعے باطل کو حق ثابت کرنے میں سرگرم ہو جائیں، اس کے کچھ نمونے بطور مشق از قلم دارے یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر عثمانی نے اپنے مختصر مکر جامع کتابچے "یہ مزار یہ محلے" میں کفر و شرک کے شجر خبیث کی جڑ پر زبردست قیش زنی کی ہے اور عقائد کی خرابیوں یا خصوصاً قبر پرستی کے مختلف پہلوؤں کی قرآن و حدیث کی روشنی میں نشاندہی کی ہے۔ تمام ہی فرقہ پرست قبرستان میں "السلام علیکم یا اہل القبور" کہنے کو سماج موافق کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کتابچے کے ص ۱۹ پر وضاحت کی کہ یہاں سلام سے مردوں کو سنانا مقصود نہیں، کیونکہ مردے تو سنے اور جواب دینے کی صلاحیت سے محروم ہیں، بلکہ یہ تو محض دعا ہے۔ عموماً ہر زبان میں خلوص کے ساتھ انبیاء اعدائے میں دعا کرتے ہوئے قاطب کا میض استعمال کر لیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سمجھانے کے لیے اس کی ایک مثال بھی پیش کی۔ موصوف نے اس معقول اور مدلل بات کا جس انداز سے مضحکہ اڑایا ہے وہ ان کی جہالت و کم ظرفی کا مزہ بولتا ثبوت ہے، ملاحظہ ہو۔

"ابو اب تکور میں خط کشیدہ الفاظ ملاحظہ فرمائیے، کتنا مضحکہ خیز جواب ہے! کیا سلام کرتے وقت بھی جذب ہوتا ہے جو اس عبارت میں بیان کیا گیا ہے؟ کیا یہاں نظریہ کی ہے جاہلیت کا کام نہیں کر رہی؟ اگر مردے کو زندہ مان لیا تو بس شرک ہو جائے گا یا یہ کہ مردے نے اگر کسی وقت بھی کچھ من لیا تو توحید خاک میں مل جائے گی، حالانکہ یہ بالکل

فرضی چیزیں ہیں جن پر ذہن تیار کیا گیا ہے۔" (ذہن پرستی ص ۶۷-۶۸)

ذرا غور فرمائیے! یہ صرف ایک ہی اقتباس موصوف کی ذہن پرستی کی کسی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ کیا ایک سنجیدہ اور معقول بات کو "مضحکہ خیز" کہنا عدم سنجیدگی اور چھچھورے پن کی نشاندہی نہیں ہے؟ کوئی معصوم علم و دانش والا بھی ایسی جاہلانہ بات نہ کرے گا۔ موصوف کے نزدیک سلام کرتے وقت "جذبہ دعا" نہیں ہوتا، تو کوئی ان سے پوچھے کہ پھر اور کون سا جذبہ ہوتا ہے؟ "السلام علیکم ورحمتہ اللہ" کے الفاظ کس جذبہ کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں؟ اب اگر یہ الفاظ کا مقصد و ملبوم کچھ بغیر ہی ان کو ادا کریں گے تو مطلوبہ جذبہ کیسے پیدا ہو گا؟ یہ نامیں یا نہ نامیں سلام کے الفاظ تو دعا ہی ہیں اور سلام کا مقصد مومن بھائیوں کے اندر ایک دوسرے کے لیے محبت، مہربانی اور اخلاص کے جذبات کو پروان چڑھانا ہے۔ ظاہر ہے یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ پورے شعور اور خلوص کے ساتھ ہی ان کو ادا کیا جائے، خواہ سلام زندوں کو کیا جائے یا مردوں کو۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں خلوص نیت اور جذبہ اخلاص پر ہی اجر ملتا ہے۔ موصوف کے مذکورہ اقتباس کی عبارت کے ایک ایک لفظ سے بغض، کینہ اور کھسکاہ پن مترشح ہوتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بغیر دلیل بات کرنے

والوں کا بھی سب و لحد ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں "مروے کو زندہ مان لیا تو بس شرک ہو جائے گا۔" علامہ صاحب! پہلی بات تو یہ ہے کہ (موت کے ذاکثری فیصلہ کے بعد) مروے کو زندہ قرار دے کر آپ ہر ایک کی نظر میں پوش و حواس سے عاری اور عقل و دانش سے محروم سمجھے جائیں گے۔ کیونکہ اپنے چہیتے مروے کو زندہ سمجھتے ہوئے تو کوئی بھی (بشمول آپ کے) گڑھے میں ڈال کر مٹی میں نہ ڈباے گا! البتہ مروے کو اسی گڑھے میں زندہ ماننے سے مروہ پرستی، قبر پرستی، قبر پرستی کا دروازہ کھلتا ہے جو شرک کی بدترین شکل ہے۔ اسی لیے مروے کو زندہ سمجھنے کے موقف کی قرآن و حدیث میں سختی سے تردید کی گئی ہے جس کی مفصل بحث اوپر ہو چکی ہے۔

"عذاب برزخ" میں ص ۱۹ پر عمرو بن عامرؓ سے منسوب ایک وصیت کا ذکر ہے جسے مسلم نے روایت کیا ہے کہ جب وہ حکمران الموت کی حالت میں تھے تو انہوں نے وصیت کی کہ مجھے دفن کرنے کے بعد کچھ دیر قبر پر کھڑے رہنا تاکہ میں تم سے انیست حاصل کر لوں اور مجھے مسلم رہے کہ فرشتوں کو کیا جواب دوں۔ اس روایت کی سند اور اس کے متن دونوں پر اعتراض کیا گیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عذاب برزخ ص ۲۰)۔ حالانکہ قبر میں مروے کا باہر کھڑے ہوئے لوگوں سے انیست حاصل

کرنا اور سوال و جواب کے لیے کسی قسم کی تعینت پانا نصوص قطعیہ کے صریحاً خلاف اور عملاً ناقابل فہم ہے۔ قرآن کا فرمان بھی اوپر ذکر کر دیا گیا ہے کہ مروے والوں میں تو جان کی رستی بھی باقی نہیں رہتی تو سب سے یہ کہ عالم برزخ سے تو دنیا والوں کا کوئی تعلق ہی باقی نہیں رہتا۔ لیکن موصوف کیونکہ قبر میں دفن ہونے کے بعد قبر میں ہی مروہ لاشے کے زندہ ہو جانے پر عقیدہ رکھتے ہیں اس لیے اس کے ہر پہلو کا دفاع لازم خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"الغرض حضرت عمرو بن عامرؓ نے یہ بات اگرچہ سیاق الموت میں کہی تھی لیکن بالکل صحیح بات کہی تھی" (المنہج ص ۱۹۸)۔ اس طرح موصوف نے خلاف قرآن موقف کی تائید کر دی کہ مروہ مستحی بھی ہے اور باہر والوں سے مانوس بھی رہتا ہے! کہیں کہیں موصوف باطل موقف کی حمایت میں بڑے بڑے علمی طرز استدلال پر اترتے ہیں ملاحظہ ہو:

ہماری سمجھ سے یہ باہر ہے کہ زندہ کو اگر سبب مانا جائے تو شرک نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا (مر ۲۰) ہم نے انسان کو سبب و بصیر بنایا۔

لیکن اگر مروہ کو سبب مان لیا جائے تو شرک ہو جائے گا حالانکہ زندہ ہو

یا مروہ محض سبب ماننے سے شرک لازم نہیں آتا، زندہ اور مروہ کی سماعت

مقتصد و محدود ہے، اللہ تعالیٰ کی سماعت غیر مقتصد اور لامحدود ہے۔ دونوں

میں بین قریب ہے۔ عتصم (قرآن برائی ص ۵۷)

اب کوئی ان کا مقلد ہمت کر کے ان کی توجہ اس طرف دلائے کہ حضرت بریلوی بھی آپ کی ہی طرح استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "زندہ ہو کرے تو شرک نہیں ہوتا، مروہ ہو کرے تو کیسے شرک ہو جائے گا! پس یہ وہی میں رہے کہ اللہ کی طاقت لامحدود ہے اور زندہ و مروہ کی طاقت محدود ہے۔" موصوف شاید قرآن و حدیث اور مشاہدہ انسانی پر مبنی اس افس قطعی اور حقیقت نفس الامری سے ٹالید تو نہ ہوں گے کہ سماعت و بصارت، حس و ادراک، عقل و دانش اور نظرو تہ و غیرہ کا تعلق تو حیات دنیاوی کے ساتھ ہے، موت کے بعد یہ تمام قوتیں سلب ہو جاتی ہیں، پھر بھی مروہ لاشے کے سبب و بصیر (عقل و فہم) ہونے پر اصرار امتداد و جد کی ہٹ دھرمی ہے۔ مروے کے اندر ان قوتوں کے تصور سے ہی تو قبر پرستی کے شرک کا دروازہ کھلتا ہے!۔ بریلوی یہ طرز استدلال اختیار کرے تو شرک ہو جاتا لیکن موصوف اپنے کو توحید کا علم بردار سمجھیں تو یہ ان کی خود فریبی ہے۔ اب یہ بوالعجبی ملاحظہ ہو کہ موصوف جو خود شرک کا مظاہرہ کے مدافعت میں سے ہیں، شرک کی

التشریع پر مکتفہ کرتے ہوئے کس طرح حدود سے تجاوز فرما جاتے ہیں اور شرک کے شجر خبیث پر بیش زنی کرنے والے پر بھی شرک کا الزام عائد کرنے سے نہیں چمکتے اس کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں فرماتے ہیں:

شُرک فی التشریع | موصوف نے اپنی کتاب میں کسی کے حق کو واسطہ

دے کر عار کرنے کو ناجائز بتایا ہے لیکن اسی سلسلے میں نہ قرآن مجید کی آیت پیش کی نہ کوئی حدیث نبویؐ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے لیکن معلوم نہیں موصوف نے یہ اختیار کب سے خود استعمال کرنا شروع کر دیا یا دوسروں کو تفویض کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز وہ ہے جو قرآن مجید یا حدیث نبویؐ میں حرام ہے، کسی کے فتوے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو سکتی لیکن موصوف نے "بحقی فلاں" کہہ کر عار ہائے کو حرام تو کہا لیکن دلیل میں انہوں نے شریعہ کفری، ہدایہ، معیاریہ الانسان وغیرہ کے حوالے دئے (یہ قبریں یہ آستانے) ایشیائی اول و ثانی ص ۱۰۰ و ص ۱۰۱ (یہ مزار یہ جگہ مکتبہ) گویا انہوں نے اس چیز کو کوا قوال الرجال کے ذریعہ حرام کیا، تو کیا اقوال الرجال بھی اللہ کے دین ہیں قابل سند ہیں یا کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی شارع ہے؟ افسوس ہے کہ موصوف نے یہاں توحید کو ملحوظ نہیں رکھا، شرک کی طرف مائل ہو گئے،

عکس (۱۹) اپنی ص ۸۷

موصوف کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی بات کو جائز و ناجائز ثابت کرنے کے لیے قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ تائید و تشریح کے طور پر اگر علماء کے اقوال بھی پیش کئے جائیں تو یہ شرک فی التشریع کے مترادف ہو گا کیونکہ دین کا انحصار کسی کی رائے یا ذاتی فتوے پر نہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ڈاکٹر عثمانی کے کتابچے "یہ مزار یہ جگہ" میں واسطے وسیلے کے شرک کے رو میں قرآنی آیات "احادیث، معجمہ اور صحابہ کرام کے عمل کی بنیاد پر جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان سب سے صرف نظر کر کے مسعود احمد صاحب نے کس ہوشیاری کے ساتھ یہ لکھ دیا ہے کہ "نہ قرآن مجید کی آیات پیش کی نہ کوئی حدیث نبویؐ۔۔۔۔۔"۔ "بغض و کینہ پر مبنی علمی خیانت اور ذہن پرستی کی اس سے بدتر مثال اور کیا ہو گی!

موصوف کا وہ ہر اعیانہ بصر حال فی الحال اس پر مزید بحث کرنا مقصود نہیں یہاں تو صرف ان کو یہ آمیزہ دکھانا ہے کہ کچھ ایسی ہی صورت حال میں کیا موصوف اپنے اوپر بھی شرک کا فتویٰ لگانا پسند کریں گے!۔ آئیے دیکھیں اس کا بھی جائزہ لیں۔ مسعود احمد صاحب کے نزدیک جہرمی قرأت کے دوران امام کو دو سکتے کرنے چاہیں تاکہ مقتدی بھی ان سکتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔ (اس وقت ہم یہ بحث نہیں کرتے کہ یہ سکتے بدعت ہیں) اس کے لیے موصوف نے درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں ملاحظہ ہو۔

محدثین اور سکتے | اہل حدیث یعنی اہل علم یعنی محدثین اسی چیز کے قائل ہیں کہ

امام کے سکرات میں سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔

حضرت ابوسلمہؒ اپنی فرماتے ہیں:-

لما امرتکنتان فاعتموا اللہ

فہما یفانحۃ الکتاب وجوہ العزائم

امام کے دو سکتے ہوتے ہیں، ان دونوں میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کو کوشش کیا کر۔

امام غطار تالیفی فرماتے ہیں :-

امام رحمہ بالا امام ابوہدی پر موقوف نہیں تمام
عبدین کا یہی عمل ہے۔ امام ترمذی لکھتے ہیں :-

اذا كان الامام يخطب فليبادر

(اس کے قرأت شروع کرنے سے پہلے)
جلدی سے سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرے یا بعد
میں جب وہ سگتہ کرے تو پڑھ لیا کرے
لیکن جب وہ قرأت کرے تو موقوف
رہا کرے جیسا کہ الشرح میں ذکر ہے فرمایا
ہے۔

يقبض اذ اهل القبان اولم يقرءوا
ما يسكت فاذا قرء فليشخص
صما قال الله عن رجل فاجتروا
القرآن فلهما من البعاري ذلك
وصفه صحيح

واختار اصحاب الحديث ان
لا يقبض الرجل اذا اجتهد الامام
بالقرآن فليواليتبع مسكتات
الامام ثم ذكر في كتاب الصلوة باب ما اذا
في ترك القراءة خلف الامام جزء اول
(مسکت)

محمد بن نے اختیار کیا ہے کہ جب امام بلند
آواز سے قرأت کرے تو مقتدی کی کچھ نہ
پڑھے۔ محمد بن نے کہا کہ امام کے مسکات
کی متابعت کرے (یعنی امام کے مسکات
پڑھے)۔

امام بخاری کی تحریر فرماتے ہیں :-

ہم کہتے ہیں کہ مقتدی امام کے مسکات
میں پڑھے۔

نقولہ يقبض اخلف الامام عند
المسكتات (جزء القراءة للبخاري ص ١٢١)

الموقوف تمام الخیریت یعنی تمام اہل علم یا محدثین امام کے مسکات کو صحیح مانتے
ہیں لیکن آجکل کے لوگ جبرے علم ہوئے ہوتے بھی الخیریت کہلاتے ہیں وہ کہتے ہیں
امام کے مسکات کا ثبوت نہیں لہذا نہ امام وہ کہتے کرے (اور نہ مقتدی کی مسکاتوں میں
پڑھے۔ اب بتائیے اہل علم کی بات مانا جائے یا علم لوگوں کی۔

عکس امام کے روئے ہو گئے۔ ص ١٢١-١٢٢

ملاحظہ فرمایا کہ کس طرح امام کے اقوال کو اپنے مسلک کی مداخلت کے لیے بطور سند و حجت پیش کیا جا رہا ہے۔ کیا اب موصوف خود اپنے
جاری کردہ شرک فی الشریع کے فتوے کی ڈسے بیچ سکتے ہیں؟ کیونکہ درج بالا اقتباس میں ہوش بیاقی میں بخود ہی کہہ گئے ہیں :-
”لو کیا اقوال الرجال بھی اللہ کے دین میں قابل سند ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی شاعر ہے؟“ افسوس ہے
کہ موصوف نے یہاں توحید کو ملحوظ نہیں رکھا اور شرک کی طرف مائل ہو گئے۔“ (دین و دنیا ص ٨٢)
کیا اپنے مسلک کی تائید میں اقوال الرجال پیش کرنے کے بعد موصوف شرک کی طرف حمس مائل ہو گئے؟ کیا موصوف اس مہربان طریقہ
کار پر عمل پیرا تو نہیں جس میں اصولوں کا اطلاق صرف دوسروں پر تنقید کے لیے ہی ہوتا ہے اور خود ان سے بے نیاز رہتے ہیں؟ اگر یہ بات
ہے تو یہ آخرت کی جواب دہی سے بے خبری کی علامت ہے اللہ پناہ میں رکھے۔ موصوف کے اپنے قیمتی مشورے کے مطابق

تو دیگر کہے کسی دوسرے شرک پر نہیں قائم رکھا جائے بلکہ اس شرک فعل کو
دلیل میں پیش کر کے اس شرک کی جڑیں اور مضبوطی جائیں۔ توحید یہ
ہے کہ بس اللہ تعالیٰ کے فرمان سے (جو قرآن مجید اور حدیث نبوی میں
ذکر ہو) حلال و حرام کا فیصلہ کیا جائے، نہ اپنے ذہن سے فیصلہ کیا جائے
اور نہ دوسروں کی رائے سے، لیکن موصوف نے اپنی کتاب میں ذہن کے
فیصلہ کیلئے بارہ دوسروں کی رائے سے کیا آئندہ آنے والی تسلیں موصوف
کی عبادتیں پیش کر کے موصوف کی حرف شرک کو مٹوس نہیں کریں گی؟

ہونا یہ چاہیے تھا کہ موصوف ان
کو قرآن مجید اور حدیث شریف کے دلائل دے کر خاموش ہو جائے اور
انہیں یہ یقین دلانے کہ دین میں سب مروت اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یا اس
کے رسول کی حدیث ہے، اسی پر ان کے ایمان کو استوار کرتے، توحید فی
الدین اور توحید فی الشریع کی دعوت دے کر شرک فی الدین اور شرک فی
الشریع کی تردید کر کے۔ توحید پھیلانے کا یہ طریقہ تو صحیح نہیں کہ کسی شرک کی

عکس امام کے روئے ہو گئے۔ ص ٨٢

درج بالا اقیامات یہ ثابت کر دینے کے لیے کافی ہیں کہ موصوف کس قدر قول و فعل کے تضاد کا شکار ہیں اور یہ ان کا انفرادی طرف
عمل نہیں بلکہ جماعتی اور تنظیمی طریقہ کار معلوم ہوتا ہے۔ ان کی جماعت کے ایک ذمہ دار فرد مشہد اکوٹ کے ناظم عبدالمجید صاحب نے

کتنے ہی اکابر اسلام اور فرقہ پرستوں کے فتاوے اور اقوال اپنے موقف کی تائید میں بطور دلیل پیش کئے ہیں۔ تو کیا موصوف کے معیار اور اصول کے مطابق یہ شرک فی التشریح کے مرتکب نہ ہوئے؟

فہرست

مذہب اہل حدیث کی کتابوں سے جماعت المسلمین کے حق پر ہونے کا ثبوت
 دوسری حقیدہ رکھنے والوں کی کتابوں سے جماعت المسلمین کا ثبوت
 جماعت اسلامی کی کتابوں سے جماعت المسلمین کا ثبوت
 بطوری حقیدہ رکھنے والوں کی کتابوں سے جماعت المسلمین کا ثبوت
 شیعہ مذہب کی کتابوں سے جماعت المسلمین کا ثبوت

جماعت المسلمین ہی برحق ہے

(اہل سنت - اہل معرفت اور اہل حق کے معرکہ طہارہ کی شہادت)

ابوالفتح

محمد رفیع میمنہ جماعت المسلمین
 جہازہ اسلامیہ اور مفتاح المسلمین

جماعت المسلمین

اب کوئی ان سے پرستے کہ ابجد۔ شوں دیوبندیوں، بریلویوں اور شیعوں کے اقوال ان کی جماعت کی نظر میں حجت ہیں جن کو دلیل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے کیا یہ اقوال الرجال پیش کر کے شرک فی التشریح کے مرتکب نہیں ہوئے؟ ان کے قول و فعل کے تضاد اور دوسرے معیار (اپنے لئے کچھ اور دوسروں پر تنقید کے لیے کچھ اور) کے بارے میں بھی موصوف کی تحریروں سے بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ورنہ بالا مخطوط میں مذکورہ تفسیر میں خدا اب قبر پر کچھ احادیث لائے ہیں ان میں سے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت کو بڑی جوشیاری سے تفسیرات ائمہ اربعہ میں پیش کیا ہے۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی
 عورت دکنی قبر کے پاس سے گزرے۔
 اس پر اس کے گھروالے رو رہے تھے
 تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس پر رو رہے
 ہیں اور اس پر اس کی قبر میں عذاب ہو رہا
 ہے۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 عَلَى يَهُودِيَّةٍ (وَفِي رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ يَهُودِيٍّ) يَبْكِي
 عَلَيْهَا أَهْضَمًا فَقَالَ إِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ عَلَيْهَا
 وَأَنْتَ تَسْعَدُ بِنِي قَبْرِهَا (صحيح بخاری كتاب
 الجنائز باب قول النبي صلى الله عليه وسلم
 يحزنون الميت ببعض بكاء أهله عليه جزء ۲ ص ۲۵۲)
 والنسائي كتاب الجنائز باب النياحة على الميت

(عکس تفسیر ص ۲۵۲)

ملاحظہ فرمائیے کہ کسی طرح متعدد برائوں کے لیے بخاری اور نسائی کی روایات کو ملا کر ایک روایت بنا ڈالی ہے۔ اگر صرف بخاری کی روایت پیش کرتے تو یہ صرف یہ کہ ان کا استدلال کا عدم ہو جاتا بلکہ ان کا ارضی قبر میں سوال و جواب اور عقاب کا موقف ہی باطل ثابت ہو جاتا کیونکہ اس میں قبر سے گذرنے کے الفاظ ہیں نہ کہ نہیں ملاحظہ ہو۔

۳۷۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ :

أَخْبَرَنَا مَا لِكُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ
عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرِوَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ
أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهَا رَوَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
تَقُولُ : إِنَّمَا مَرَّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَلَى يَهُودِيٍّ يَتِيكِي عَلَيْهَا أَهْلُهَا
فَقَالَ : لِمَ لَكُمْ تَتِيكُونَ عَلَيْهَا وَإِنَّهَا
لَتَعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا۔

ہم سے عبد اللہ بن یوسف تھیں نے بیان کیا کہ ہم کو دہم
ہاکٹ نے خبر دی انہوں نے عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد
بن مسعود ابی ہزیم سے انہوں نے اپنے باپ سے
انہوں نے عمرہ بنت عبد الرحمن سے انہوں نے حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا سے سنا جو نبی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم کی انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک
یہودی عورت پر سے گزرے اس کے گھر والے امید پر رہے
تھے اور گرتی تھیں آپ نے فرمایا یہ تو ایسا ہی ہے آپ اور
وہاں اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔

صحیح بخاری کتاب الجنائز

چنانچہ بخاری اور نسائی کی روایت کو ملا کر ایک روایت بنایا اور جسے جس (بقیہ) شامل کیا گیا تاکہ پڑھنے والا یہی سمجھے کہ ”نبی علیہ السلام قبر
سے گذرے“ بخاری کی روایت ہی کا حصہ ہے۔ جبکہ عربی متن میں (فی رواۃ النسانی بقبر) کے الفاظ کو شامل کیا یہ سمجھتے ہوئے کہ عربی
متن کو تو کم ہی لوگ دیکھتے ہیں۔ البتہ عربی متن کو غور سے پڑھنے والا تو سمجھ ہی گئے گا کہ بخاری کی روایت میں نسائی کی روایت کے الفاظ کی
چوتھو کاری کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ یہ روایت مسلم اور دیگر کتب میں بھی موجود ہے لیکن بخاری و مسلم میں ”قبر سے گذرنے“ کے الفاظ
نہیں ہیں (اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ آئندہ کسی شمارے میں پیش کی جائے گی)۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کی جماعت کے وجود کا واحد سہارا بخاری و مسلم کی یہ روایت ہے کہ ”جماعت المسلمین اور اس
کے امام سے وابستہ رہو“ اس کے بارے میں اہل حدیثوں نے جب ان کی توجہ دلائی کہ ابو داؤد اور مستدرک احمد کی روایات میں ”امام“ کے
بجائے ”خلیفہ“ کا ذکر ہے لہذا اس حکم کا تعلق تو خلافت اسلامیہ سے ہے یہ اس لئے نہیں کہ آپ کی طرح کوئی جماعت بنا کر خود ہی اس کا
امام بن جائے۔ موصوف نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

جواب صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

تَلَزَمَ جَمَاعَةُ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ

تو اب یہ بتائیے کہ آپ نے مستدرک احمد کے حوالے سے جو الفاظ لکھے ہیں
وہ صحیح ہیں یا وہ الفاظ صحیح ہیں جو متفق علیہ روایت میں ہیں۔ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے کون سے الفاظ فرمائے تھے۔ حدیث کو ایک ہی ہے تو
پھر الفاظ بھی ایک ہی ہوں گے چاہیے تھے کیا جو حدیث ساتوں درجوں میں
سے کسی دو پر ہیں مگر نہ ہو اس کے درجہ آید محض اسے مطلب کی خاطر سمجھیں
کی حدیث کو مطلب برحق نہ رہے۔

اپنے موقف کی حمایت و مدافعت کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں۔

”صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں لفظ ”امام“ ہے اور ابو داؤد میں لفظ خلیفہ ہے تو یہ بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا خلیفہ اپنی قیامت کے دن اقرار کیا تھا۔ یقیناً ”وہی خلیفہ اقرار کیا ہو گا جس لفظ پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم متفق ہیں“

و ”تجلیات فلسفہ“ ص ۱۵۰

اب کوئی ان سے پوچھے کہ بخاری و مسلم کی روایت میں قتالی کی روایت کا بیجا ذکر کیا کیونکہ صحیحین کے مقابلے میں مسند احمد کی روایت ان کے آپ اپنے عقیدے اور موقف کا دفاع فرما رہے ہیں تو وہ سری طرف اس طرح کی بیجا کاری کو نامناسب و ناجائز قرار دے رہے ہیں۔ جس طرح وہاں آپ کی دلیل ہے کہ ”حدیث تو ایک ہی ہے تو پھر الفاظ بھی ایک ہی ہونے چاہیے تھے اور الفاظ بھی وہی صحیح ہیں جو بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت کے ہیں۔“ گویا جو اصول آپ ایک جگہ استعمال کرتے ہیں پھر دوسری جگہ اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟ کیا یہ ذہن پرستی اور مسلک پرستی نہیں ہے۔ درج بالا اصول کے تحت تو آپ کو قرآنی کتب کے ساتھ اس بات کو مان لینا چاہیے تھا کہ روایت کے وہی الفاظ صحیح ہیں جو بخاری و مسلم کی روایت میں ہیں یعنی ”نبی علیہ السلام یومرہ کی میت پر سے گزرتے“ (ن کہ قبر سے کیونکہ میر تقی میر کی روایت کے الفاظ ہیں جو صحیحین کے مقابلے میں ناقابل ترجیح ہیں) اور پھر اسی لحاظ سے اپنے موقف کی اصلاح کر لینا چاہیے تھا کہ خدا آپ یومرہ کے قبر میں دفن کرنے سے پہلے ہی شروع ہو گیا لہذا اس کا اس دنیاوی قبر سے کوئی تعلق نہیں!! لیکن نفس پرستی اور مسلک پرستی سے آلودہ ذہن ایمان و عقیدہ کی اصلاح کی طرف بہ مشکل ہی مائل و راغب ہوتا ہے وہ تو اکابرین کے اقوال و نظریات کے سانچے میں دھل کر تیار ہوتا ہے اور پھر حصول علم بھی وراصل انہی نظریات کے دفاع کے مقصد کے تحت ہوتا ہے۔

۱۴۔ ایک مشرکانہ نظریے کا دفاع: ”آج تقریباً تمام مسالک اس عقیدے کے حامل اور اس کا پرچار کرنے میں سرگرم ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دنیاوی قبر میں زندہ ہیں۔ بعض عالم تہ قبریوں کے اندر سے اپنے سلام کا جواب سننے کے دعویدار ہیں تو کوئی علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے قبر سے ہاتھ نکال کر قضا صاحب سے مصافحہ بھی کیا تھا، کسی نے بیان کیا کہ نبی علیہ السلام نے وفات کے بعد کسی سود خوار کے مسخ شدہ چہرہ پر ہاتھ بچھ کر اس کو ٹھیک کر دیا، کسی بیمار خاتون کے پیٹ پر ہاتھ بچھ کر اس کو شفاء دی، کسی شیخ الحدیث نے اپنے والد صاحب کے مرض الموت میں ان کی عیادت بلکہ خدمت کے لیے نبی علیہ السلام کے تشریف لائے کا دعویٰ کیا (العیاذ باللہ!) الغرض ان کی کہانیاں ایسی ہی گمراہ کن حکایات سے بھری ہوئی ہیں ”عوام میں مقبول ہیں اور لوگوں کے عقیدہ کی بنیاد بنی کاؤرید بنی ہوئی ہیں۔ حالانکہ نبی علیہ السلام کی وفات پر امت کا پورا اجتماع صحابہ کرام میں اسی مسئلہ پر ہوا جبکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآنی آیات کی تلاوت کر کے اس بات کو واضح کر دیا کہ نبی علیہ السلام کی وفات ہو گئی اور اللہ تعالیٰ آپ کو دو مہینوں کا مہرہ عطا فرمایا (کہ بعد وفات کے پھر زندہ کرے اور پھر موت دے)۔ اس کی تفصیل کے لیے ”الکفر عثمانی“ کے کتابچے ”وفات ختم المرسل“ کا مطالعہ کیا جائے۔ بعد کے دور میں کوئی ایسا واقعہ احادیث میں نہیں ملتا کہ کسی صحابی نے قبر نبوی پر جا کر کسی مسئلہ پر ہدایت و رہنمائی طلب کی ہو یا کسی کو کبھی قبر نبوی سے سلام کا جواب دیا گیا ہو حالانکہ جافک و شبہ نبی علیہ السلام کو بعد والوں کے مقابلے میں اپنے صحابہ سے محبت و تعلق خاطر کہیں زیادہ تھا۔ دراصل وہ تو قرآن پر ایمان رکھنے والے اور اللہ سے ڈرنے والے تھے ان کے زمانے میں ایسے گمراہ کن مشرکانہ نظریات سے آلودہ جسمائے قصبہ و کمانوں کو پھیلانے کا موقعہ کیسے مل سکتا تھا؟ یہ تو اس وقت ہوا ہے جب کہ عقائد پر قبر پرستی کے صوفیانہ نظریات کی چھاپ لگی، پھر مروے زندہ ہوئے، قبر سے باہر نکلنے لگے، خوابوں میں آنے لگے اور یہ مشرکانہ عقائد سے آلودہ جسماء جزاء ایمان بن گئے! مسعود احمد صاحب بھی اسی شرک آمیز توحید کے عقیدہ کے حامل ہیں۔ چنانچہ اس کی تائید اس طرح فرماتے ہیں ”ملاحظہ

اس تفصیلی بحث سے ان راویوں اور ان کی بیان کردہ حاکم کی اس روایت کی حیثیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس کی بنیاد پر نبی علیہ السلام کی قبر سے سلام کا جواب دینے کا قصہ بیان کر کے موصوف نے اپنے آپ کو عقیدہ کے لحاظ سے بریلوی اور دیوبندیوں کے گروہ میں شامل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں قرآن و صحیح احادیث پر غور و فکر کی توفیق سے نوازے اور قرآن و صحیح احادیث کی بنیاد پر ہی ایمان و عقیدہ کو استوار کرنے کی امت عطا فرمائے آمین۔

۳۔ پرویز ثانی کے روپ میں: مسعود احمد صاحب نے اپنی کتابوں میں کئی جگہ ڈاکٹر مٹنی پر ترجمے میں خیانت کا الزام لگایا ہے۔ یہاں سر مٹنی کا دفاع مقصود نہیں ان کتابچوں کا بغور پڑھنے والا خود ہی ایسے الزامات کی سیہ بٹھاتی اور بدستور یہاں کا اندازہ کر سکتا ہے۔ البتہ یہاں - صرف - یہ نشاندہی کرنا ہے کہ خود مسعود احمد صاحب نے ترجمے کے سلسلہ میں جو کارنامہ انجام دیا ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ اس کے بعد وہ خود اپنے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہیں۔ گزشتہ صفحات میں بھی ان ترجموں کے چند نامور نمونے پیش کئے جا چکے ہیں اب فی الوقت طوالت سے بچنے کے لیے ان میں سے صرف دو مترہ مثالیں بطور "مثبتہ از خود" پیش کرنے پر ہی اکتفا کریں گے (ورت تو ایک کتاب تیار ہو جائے گی خاص طور سے ان کا کتابچہ "عصمت رسول" تو دنیا میں کاشمیکار ہے) جس سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ قرآن و حدیث کی تاویل میں اب یہ غلام احمد پرویز ثانی کا ہی مقام حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اپنے پیش رو کی اتباع کرتے ہوئے اب ان کی کوشش بھی یہ ہے کہ لغت سے تلاش کر کے الفاظ کے ایسے معنی برآمد کئے جائیں جو قرآن و حدیث کا مضمون اپنے عقیدے اور موقف کے مطابق پیش کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ چنانچہ "عصمت رسول" کے تحت منعقد کئے جانے والے اپنے ایک جلسے میں انہوں نے جو تقریر کی تھی وہ اب ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کی گئی ہے۔ اس میں سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات کا جو ترجمہ لغت سے براہِ پیمبری کرتے ہوئے برآمد کیا وہ پس اپنی مثال آپ ہی ہے۔ ملاحظہ ہوں:

اس تفصیل و نامت کے سبب آیت کا صحیح ترجمہ مندر فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شُرَكَاءُ مُتَشَبِّهُونَ بِهِمْ	(احمد بریل) ہم نے آپ کو فتح میں ہی ناکارہ
لَقَدْ أَلَلْنَا مُرْءِينَآ فَمَا كَانُوا يَفْقَهُوْا	آپ پر لگانے لگے اچھے پچھے تمام الزامات کہ
فَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فِيهِ تَحْدِثُ	اصلاح فرمائیے اور آپ چاہتی نعمت پوری
بِهِمَا مَا تُهْتَمُّ بِهِمَا لَعَلَّكُمْ تَهْتَفُونَ	گندہ اور آپ کو سیدھ راستہ پر چلانا
فَعَلَّمَنَاهُ خَطَايَا أُولَئِكَ لِيُزَكَّىٰ عَنْهَا	بھلا (بھٹک) اللہ آپ کی ذہن پر روشنی
وَمَا تَلَعُ لَكُمُ الْغُفْرَانَ كَغَبِيضٍ يُرِيدُ	ذہر دست خود کر دے گا۔

(جس "عصمت رسول" میں ہے)

پڑھئے اور موصوف کی جولانی طبع کی واؤ دیکھئے! کس طرح سیدھی ساہی عبادت کو توڑ مروڑ کے عجوبہ روزگار معنی و مضمون پھانسنے کی کوشش فرمائی ہے!۔ "زُنب" کے معنی "غفرش" کو تباہی، گناہ یا خطا کے ہیں (دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ سرے انبیاء علیہم السلام کے لیے انہوں نے غفرش کے الفاظ اسی کتابچے میں استعمال کیے ہیں) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات گرامی کا احترام و تقدس ملحوظ رکھتے ہوئے "زُنب" کے ترجمے میں غفرش یا کو تباہی کا لفظ استعمال کرنے سے مضمون بخوبی ادا ہو جاتا ہے چنانچہ آیت کا ترجمہ اس طرح ہوتا ہے:

"بے شک ہم نے آپ کو کھلی فتح دی تاکہ اللہ آپ کی اگلی اور پچھلی غفرشیں معاف فرمائے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کرے۔۔۔۔"

اس کے برخلاف مسعود احمد صاحب نے "بِغُفْرَانِكَ" و "مَا تَلَعُ" کا جو عجیب و غریب اور بے انکار ترجمہ کیا ہے اس کا تو کوئی قرینہ ہی نہیں بنتا "تاکہ اللہ آپ پر لگائے گئے اگلے اور پچھلے الزامات کی اصلاح فرمائے" اس کے صحیح ثابت کرنے کے لیے "ایک خاص تار بخنی پس منظر" کا ذکر کرنا محض بے پر کی اڑانے والی بات ہے۔ اس سلسلے میں کچھ احادیث پیش کی جاتی ہیں جو ان کی معنوی تحریف اور علمی قریب

کاری کا پردہ چاک کرتے کیلئے کافی ہو گئی۔

۱۸۳۔ حدثنا الحسن بن عبد الرحمن بن حدثنا عبد اللہ بن جبر عن ابی الاسود سمع عروۃ عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقوم من اللیل حتی تنظر قدسہ قالت عائشہ لیم تصبح هذا یارسول اللہ وقد غفر الی ملک ما تقدم من ذنبک وما تاخر؟ قال الا احب ان اكون عبدا شکورا؟ قلنا کثیرا لعلہ صلی جالسا قالوا وذاك یوم کرم قام القراء یمروا کعبا انما ارسلناک مبشرا ونذیرا

حسن بن عبد العزیز، عبد اللہ بن جبر، ابی الاسود، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اس قدر کھڑے ہوتے کہ آپ کے پاؤں پھٹ جاتے تھے۔ عائشہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں؟ آپ نے فرمایا کیا مجھے پسند نہیں کہ میں شکر گزار بندہ بنوں پھر جب آپ کے جسم میں گوشت زیادہ ہو گیا تو آپ بندہ کرم قرار پاتے۔ اور جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو کر کچھ قرأت کرتے پھر رکوع کرتے (آیت بیشک ہم نے آپ کو شاہد مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ بخاری میں فی تفسیر سورۃ الفتح)

غور فرمائیے یہاں ام المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتی ہیں کہ "آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف فرما دی ہیں۔" لیکن مسعود صاحب کے ترجمہ کے لحاظ سے معلوم شاید یہ ہو گا کہ "آپ پر لگے ہوئے اگلے پچھلے الزامات کی اصلاح تو ہو چکی۔" یعنی بھلا اب آپ کو کون سے الزامات کا خطرہ ہے، تو آپ اتنی عبادت کر رہے ہیں!! (دوسری حدیث ملاحظہ ہو:)

۱۸۴۔ حدثنا محمد بن سلام قال انا عبدة عن هشام عن عائشہ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مرهم من الاعمال بما یطيقون قالوا انا لسنّا کھتک یا رسول اللہ ان اللہ قد غفر لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر فیغضب حتی یعبرک الغضب لی وجہہ ثم یقول ان اتقاکم واعلم باللہ

۱۸۵۔ ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ انھیں عہدہ نے غیروہی وہ ہشام سے نقل کرتے ہیں۔ ہشام عائشہؓ سے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کسی کام کا حکم دیتے تو وہ ایسا ہی کام ہوتا جس کے کرنے کی لوگوں میں طاقت ہوتی (اس پر) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ تو آپ جیسے نہیں ہیں۔ (آپ تو معصوم ہیں) مگر ہم سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اس لیے ہمیں اپنے سے زیادہ عبادت کرنے کا حکم فرمائیے اور آپ کی تو اللہ تعالیٰ نے اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف فرما دیں۔ (یہ سن کر) آپ ناراض ہوئے حتیٰ کہ جنگی آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہونے لگی۔ پھر فرمایا کہ بیشک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اسے جانتا ہوں۔ (طس بیچ، بخاری، کتاب الایمان)

موسوف کے لحاظ سے "ذنب" کے معنی الزام لینے سے صحابہ کرام کے استفسار کا انداز یہ ہو گا "اے نبی! ہماری آپ سے کیا نسبت؟ آپ پر لگے ہوئے سارے الزامات کی اصلاح ہو چکی لیکن ہمارے اوپر تو الزامات ابھی باقی ہیں۔۔۔۔۔!!" (پہ خوب! ایمان باند!) اللہ تعالیٰ ایسی انفرادیت خود بخود اپنی اور ذہن پرستی کے روگ سے محفوظ رکھے! امین! اسی طرح امام بخاری کی کتاب التفسیر سورۃ البقرہ کی آیت "وعلیم اللہ الاسماء کلہا" کے باب میں واقعہ خطاقت لائے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگ سفارش کیلئے انبیاء علیہم السلام کی خدمات میں سفارش کیلئے حاضر ہوتے ہیں اور ہر ایک اپنی کوئی تقصیر یاد کر کے تذر خواہی کے ساتھ ان کو بعد والے نبی کے پاس بھیج دیتے

قافلہ ہے رواں دواں

اللہ
محمد

شکیل الرحمن و خالد محمود بخاری

بلوچستان میں دعوت الی اللہ

صوبہ بلوچستان میں اس سے قبل دعوت و تبلیغ کا کام یہاں کے مرکز ہستی کوڑی میں اجتماعات بارگاہان کے ایک دو مقامات پر بھی کیا گیا۔ درس قرآن کے علاوہ انفرادی رابطوں اور محدود خانے پر لڑائی کی تقسیم تک محدود رہا۔ البتہ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں امیر عظیم کے دورے کے موقع پر کوڑی میں ہونے والے اجتماع کے دوران نورانی شریعت و دعوت الی اللہ کا ایک پروگرام ہوا جس میں دو مقامات پر تقریر کے علاوہ تقریر پورے شہر میں دعوتی لڑائی بھی تقسیم کیا گیا تھا۔

گذشتہ سال بلوچستان کے ساتھیوں کی پر زور تجویز پر یہ طے ہوا کہ پنجاب اور کراچی سے کچھ ساتھی مقامی ساتھیوں سے مل کر بلوچستان کے مختلف مقامات پر دعوت الی اللہ دیں گے جس کے دوران دعوتی لڑائی کو عام تقسیم کیا جائے گا۔ چنانچہ اس پروگرام میں امیر عظیم کے ساتھ پنجاب کے امیر حکیم محمد رمضان صاحب اور کراچی سے مرکزی شوری کے ارکان محمدی گل صاحب اور محمد افضل خان صاحب نے بھی شرکت کی۔

بلوچستان میں دعوت الی اللہ کے اس پروگرام میں شرکت کے لیے کراچی اور پنجاب کے مختلف علاقوں سے آنے والے ساتھی ۸ ستمبر کو مسجد توحید ذریعہ قادی خاں پہنچ گئے۔ چونکہ دعوت الی اللہ کے پروگرام سے پہلے ۸ ستمبر کو جمعہ کو مسجد توحید ہستی کوڑی میں ایک روزہ اجتماع کا پروگرام رکھا گیا تھا۔ اس طرح ذریعہ قادی خاں میں بھی جگہ جگہ اجتماع کی صورت حال پیدا ہو گئی۔ چنانچہ موقع کی مناسبت سے صلوٰۃ العصر کے بعد کراچی کے محمدی گل صاحب نے سورۃ البقرۃ کے ابتدائی رکوع کی آیات کے حوالے سے خطاب کیا اور حاضرین کے سامنے ایمان اہل ایمان کی خصوصیات، خلاق اور متفکین کی نشانیوں کو تفصیلی طور پر واضح کیا۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد امیر عظیم نے ساتھیوں کے سوالوں کے جواب دیے۔ مسجد توحید ذریعہ قادی خاں میں قیام شب کے بعد ۸ ستمبر کو صلوٰۃ الفجر کے بعد رکعتی چائے والی دہلیزوں کے ذریعے بلوچستان دوانگی ہوئی اور ذریعہ قادی خاں کے عقب میں کوہ سلیمان کے پہاڑی سلسلے کو عبور کرتے ہوئے تقریباً دس بجے رکعتی سے ڈرامے واقع ہستی کوڑی پہنچے۔ جہاں تھوڑی دیر آدمی کے بعد ساتھیوں نے صلوٰۃ الجمعہ کے لیے تیاری کی۔ صلوٰۃ الجمعہ سے قبل کراچی کے ساتھی نور سلطان صاحب نے سورۃ الفرقان کی آیات ۲ تا ۲۹ کے حوالے سے خطاب کیا اور حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب (قرآن مجید) کی دعوت اور مخالفین کی طرف سے اس دعوت حق کے خلاف اٹھائے جانے والے اعتراضات کے پورے پن کو واضح کیا۔ صلوٰۃ الجمعہ کے بعد امیر عظیم نے مختصر خطاب کے بعد موالوں کے جواب دیے۔ صلوٰۃ العصر کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ البقرۃ کے آخری رکوع کی آیات کے حوالے سے تقریر کی اور سورۃ میں مذکور نبی اسرائیل کی ناقربانوں پر مشتمل سرگزشت کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے

ایمان و اعمال کی اصلاح اور بالخصوص مسجوطائعہ کے حلقے میں اصلاح کی اہمیت کو واضح کیا۔ انہوں نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات اللہ کی طرف سے تین تجھے عطا کئے گئے۔ صلوٰۃ پنجگاتہ سورۃ البقرۃ کی یہ آخری دو آیات اور آپ کی امت میں شرک نہ کرنے والے کی مغفرت کی خوشخبری۔ لیکن افسوس کہ آج ان میں ہماقدرو منزلت کے حامل شخصوں کی کھلی نالائقی ہو رہی ہے۔ آج قرآن کی آیات اور صلوٰۃ کو فروخت کیا جا رہا ہے، شرک سے اجتناب کے بجائے اس کو رواج دیا جا رہا ہے اور اس سارے کھیل کی سرپرستی اس قوم کے اجبار و رہبان کر رہے ہیں۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد یا بھی شاداف کی نشست ہوئی اور اس کے بعد امیر عظیم نے سوالوں کے جواب دیے۔

۹۔ ستمبر کو صلوٰۃ الفجر کے بعد امیر عظیم نے سورۃ البقرۃ کی آیت **وَكُلَّامِكَ جَعَلْتُمْ اَمَةً وَسَطًا تَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلٰی النَّاسِ** کے حوالے سے ساتھیوں کے سامنے دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری اور اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے انہیں دوران سفر مختلف مقامات پر دعوت الی اللہ سے متعلق ہدایات دیں اور بتایا کہ بلوچستان میں اس طرح کے پروگرام کا یہ پہلا موقع ہے، اس لیے ساتھی اس لحاظ سے بھی اس اہم ترین ذمہ داری کے تعلق سے پوری سنجیدگی، احتیاط اور نظم و ضبط کا خاص طور سے خیال رکھیں۔ دعوت کے میدان میں خود اپنی تربیت کا بہترین موقع ہوتا ہے۔ اس لیے اس موقع سے بھرپور استفادے کی کوشش کریں۔ بعد ازاں اشراق و ناشتے سے فارغ ہو کر آٹھ بجے تقریباً ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل یہ قافلہ امیر عظیم کی سرپرستی میں چھ دیگنوں اور تین ڈاکٹرن پک اپ گاڑیوں کے ذریعہ لورالائی کی طرف روانہ ہوا۔ دن کے پونے دو بجے لورالائی شہر میں پہنچے۔ کراچی کے شرافت اللہ صاحب نے شہر کے مرکزی مقام پر سورۃ المؤمن کی آیت **وَقَالَ لَكُمْ اَدْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ** کے حوالے سے دعوت الی اللہ کی تقریر کی اور کافی تعداد میں شہر کے اندر دعوتی لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ اس کے بعد شہر سے باہر ایک پارک میں قیام کیا گیا جس کے دوران ساتھیوں نے باہمی تعاون سے کھانے کا انتظام کیا، پھر طعام اور صلوٰۃ الفجر و عصر (دوران سفر) سے فارغ ہو کر ساڑھے چار بجے یہ قافلہ قلعہ سیف اللہ کے لیے روانہ ہوا۔

لورالائی سے روانگی کے بعد شام کے پونے چھ بجے قلعہ سیف اللہ پہنچے۔ قلعہ سیف اللہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو بختون آبادی پر مشتمل ہے۔ پیناچہ یہاں عہدی گل صاحب نے سورۃ البقرۃ کے تیسرے رکوع کی ابتدائی آیات پر مشتمل پشتو زبان میں دعوت الی اللہ کی تقریر کی اور لوگوں کے سامنے ہر طرح کے شرک سے اجتناب کرتے ہوئے اللہ بندگی کی دعوت پیش کی جس کو لوگوں کی بڑی تعداد نے پوری توجہ کے ساتھ سنا۔ اختتام پر کچھ افراد نے قدرے ناراضگی کے ساتھ سوال بھی کئے تاہم ان کو اچھے انداز سے سمجھا دیا گیا۔ دعوت الی اللہ کے ساتھ ساتھ یہاں پورے شہر میں دعوتی لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔ قلعہ سیف اللہ میں دعوت الی اللہ سے فارغ ہونے کی بعد تقریباً پونے سات بجے مسلم باغ کی طرف روانگی ہوئی اور سوا آٹھ بجے رات کو مسلم باغ پہنچے۔ مسلم باغ بھی قلعہ سیف اللہ کی طرح چھوٹا سا شہر ہے جو بختون آبادی پر مشتمل ہے۔ یہاں کراچی کے شرافت اللہ صاحب نے پشتو میں دعوت الی اللہ پیش کی اور ساتھ ہی شہر کے اندر موجود لوگوں میں دعوتی لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔ مسلم باغ سے روانہ ہونے کے بعد کھلاک سے پہلے سرخان کے مقام پر ایک مسجد میں صلوٰۃ المغرب و عشاء ادا کی گئی اور پھر طعام کے بعد وہیں قیام شب رہا۔

۱۰۔ ستمبر کو صلوٰۃ الفجر اور ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر سرخان سے کوئٹہ کے لیے روانہ ہوئے اور ۸ بجے کوئٹہ شہر پہنچے۔ جہاں بلند یہ شاہینک پلازہ کے سامنے عہدی گل صاحب نے کوئٹہ شہر کے لوگوں کے سامنے پشتو میں دعوت الی اللہ پیش کی جس کو لوگوں کی بڑی تعداد نے سنا۔ انہوں نے سورۃ الزاریات کی آیت **وَمَا خَلَقَ الْجِنَّ وَالْانْسَ اِلَّا لِعِبَادَةٍ** کے حوالے سے لوگوں کے سامنے ان کی زندگی کے مقصد کو واضح کیا کہ وہ اللہ کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کسی انداز میں بھی کسی کو شریک نہ کریں۔ وہ اللہ جو صوب کو کھلانے پلانے والا اور قوت متین کا مالک ہے۔

اس کے بعد ساتھی و مولوی لڑیچہ تقسیم کرتے ہوئے لیاقت چوک پہنچے جہاں واہ کینٹ (راڈ پلنڈی) کے محمد اعظم خان نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۷۷ کے حوالے سے دعوت الی اللہ پیش کی۔ بعد ازاں سول اسپتال کے نزدیک دو مقامات پر کنکیشن (بر) ارشد صاحب اور کراچی کے محمد افضل خان صاحب نے سورۃ الروم اور آل عمران کی آیات کے حوالے سے لوگوں کے سامنے دعوتی تقاریر کیں اور ان کے سامنے قرآن و حدیث کے حوالوں سے واضح کیا کہ شرک اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی چیز ہے جبکہ دنیا و آخرت کی کامیابی کا نام اس بات پر ہے کہ انسان دنیا میں خالص اللہ کی بندگی اختیار کرے اور اس طرح آخرت میں اسے جہنم کی آگ سے بچا کر جنت کی بادشاہی میں داخل کر دیا جائے۔ کوئٹہ شہر میں چار مقامات پر دعوتی تقاریر کے علاوہ کافی تعداد میں دعوتی لڑیچہ تقسیم کیا گیا جس کے بعد تقریباً "سواکیارہ" پتے کلاک کی طرف روانہ ہوئی۔ کلاک کوئٹہ سے (والیسی سڑک) نزدیک ایک چھوٹا سا شہر اور منڈی ہے جو بختون آبادی پر مشتمل ہے۔ چنانچہ یہاں پر دعوتی لڑیچہ تقسیم کے علاوہ ایک مقام پر شرافت اللہ صاحب نے سورۃ الاعراف کی آیت: قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ... الخ پر مشتمل پشتو زبان میں دعوت الی اللہ پیش کی پھر واپس مریخان کی طرف روانہ ہوئی جہاں کچھ ساتھی کھانے کا انتظام کرنے کے لیے ٹھہر گئے تھے۔ مریخان میں کھانا کھانے کے بعد زیارت کے لیے روانہ ہوئی۔ تقریباً "پار پتہ" زیارت شہر میں پہنچ کر صبح سے پہلے صلوٰۃ الفجر و عصر ادا کی گئی۔ صلوٰۃ سے فارغ ہونے کے بعد شہر کے درمیان محمدی مکی صاحب نے سورۃ الانعام کے حوالے سے پشتو میں دعوت الی اللہ پیش کی کیونکہ زیارت بھی بختون آبادی پر مشتمل ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ دعوت الی اللہ کی تقریر کو شرکی تقریباً "ساری آبادی" نے بوقت توجہ اور دلچسپی سے سنا اور بڑے شوق سے دعوتی لڑیچہ وصول کیا۔ زیارت کے بعد منجانبی کے مقام پر بھی دعوت الی اللہ کا پروگرام تھا لیکن راستہ خراب اور دشوار گزار ہونے کے باعث مقررہ وقت سے بہت دیر بعد رات کو وہاں پہنچے جس کی وجہ سے منجانبی میں دعوت الی اللہ نہ ہو سکی۔ چنانچہ اس کے بعد پوری رات مسلسل (سوائے مختصر قیام نزد اور الائی برائے طعام اور صلوٰۃ المغرب و عشاء) سفر کر کے فجر تھوڑی دیر قبل رکنی کے قریب پہنچے۔ یہاں صلوٰۃ الفجر ادا کی گئی بعد میں امیر عظیم نے مختصر درس قرآن و حدیث دیا پھر چائے پکارتے سے فارغ ہو کر قریب ہی واقع رکنی شہر (جو ضلع بارکھان کا صدر مقام بھی ہے) پہنچے۔ رکنی میں محمد اعظم خان اور امیر عظیم نے یکے بعد دیگرے لوگوں کے سامنے دعوت الی اللہ پیش کی جس کے بعد شہر میں دعوتی لڑیچہ تقسیم کیا گیا۔ اس طرح رکنی شہر میں دعوت الی اللہ کا آخری پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ جس کے بعد باہر سے آنے والے مقامی ساتھیوں سے الوداع ہو کر اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

حلقہ طلباء و نوجوانان کا آٹھواں سالانہ تربیتی اجتماع

سب معمول ناظمین کے سالانہ تربیتی اجتماع سے قبل طلباء کا سالانہ تربیتی اجتماع ۸ اکتوبر ۱۹۸۵ کو مسجد توحید (نیرہ جدید) سرگودھا میں منعقد ہوا۔ جس کی مختصر دورہ درج ذیل ہے:

صلوٰۃ الفجر کے بعد طلباء و نوجوانوں کے مرکزی ناظم خالد محمود بخاری نے سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات پر مشتمل درس قرآن دیا۔ اجتماع کا باقاعدہ آغاز کنکیشن (بر) ارشد کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ انمول نے سورۃ اہل عمران کی آیات ۱۰۳ تا ۱۰۴ کے حوالے سے طلباء کے سامنے دینی ذمہ داریوں کو واضح کیا "ان ذمہ داریوں سے عمدہ برآ ہونے کے لیے ایسے اجتماعات میں شرکت کی افادیت اور ان سے بھرپور استفادے کے لیے تقلم و تخطی کی ضرورت پر زور دیا۔ ارشد صاحب کے ابتدائی کلمات کے بعد کتابچہ "یہ مزار اور میلے" کے مقررہ حصے سے تحریری امتحان ہوا اور اسی دوران بچوں کے درمیان دعوت الی اللہ کی تقاریر کا مقابلہ ہوا۔ تحریری امتحان میں کراچی کے طالب علم ساتھی عمید الروف نے ۸۶ نمبر لے کر اول پوزیشن جبکہ کبیر والہ کے محمد شبیر نے ۸۳ اور ناظم آباد کراچی کے محمد اشتیاق نے ۸۲ نمبر لے کر دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کی۔ بچوں کے درمیان دعوت الی اللہ کی تقاریر میں منولہ کراچی کے شاہد امین نے اول پوزیشن حاصل کی۔

وقت کے بعد صحاح ستہ کے حوالے سے کتاب الہامہ سے فصل "وضو" "عتبہ" "نیم" "مسح" اور مسواک وغیرہ سے متعلق مسائل پر مشتمل معلوماتی پروگرام ہوا جس میں نوجوان ساتھیوں نے بڑی دلچسپی اور ذوق و شوق سے حصہ لیا اور اس طرح اس پروگرام کے ذریعہ ان مسائل سے متعلق ایک ایک چیز کو سامعین کے سامنے لانے کی کوشش کی گئی۔ اس پروگرام کو بہت پسند کیا گیا کہ ان معلومات کا ہماری روزمرہ زندگی سے مستقل تعلق ہے۔

کھانے اور صلوٰۃ افر کے وقت کے بعد سورۃ الحشر کی آیات ۸ تا ۱۰ پر مشتمل قسم القرآن کا پروگرام ہوا۔ مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے نوجوان ساتھیوں نے مناسب تیاری کے ساتھ اس پروگرام میں حصہ لیا اور موضوع سے انصاف کرتے ہوئے اپنے حاصل مطالعہ کو اچھے انداز میں پیش کیا۔ تاہم پروگرام میں حصہ لینے والے مقررین میں محمد آصف (منٹو ٹھہ کراچی) "محمد شہیر (کبیر والد) اور صالح محمد (ذریعہ قدیم) سرگودھا) بالترتیب پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن۔ لے کر نمایاں رہے۔

قسم القرآن کے بعد نوجوان ساتھیوں کے درمیان اسپرڈ کوئز (اسلامی معلومات) کا پروگرام ہوا جس کے تین مرحلے تھے۔ پہلے مرحلے سے بارہ ساتھی سوالات کے ذریعے دو سرے مرحلے میں پہنچے، جہاں ان سے چار چار سوال کئے گئے اور اس طرح تین ساتھی تیسرے اور آخری مرحلے میں داخل ہوئے۔ یہاں ان میں سے ہر ایک سے دس دس سوالات کئے گئے، اس طرح خالد محمود بخاری (لاہور) ۱۰ میں ۸ سوالات کے صحیح جواب ۹۵، ۱۰۰ سیکنڈ میں دے کر اول، سجاد حسین (سرگودھا) ۳۳۰۲ سیکنڈ میں ۷ سوالات کے صحیح جواب دے کر دوم اور محمد اکرم (گوجرانوالہ) ایک منٹ میں ۱۴ سوالات کے صحیح جواب دے کر سوم رہے۔ صلوٰۃ العصر کے بعد خالد محمود بخاری کے انتہائی کلمات پر طلباء و نوجوانوں کا یہ ترقیاتی اجتماع اختتام پذیر ہوا جس کے بعد امیر تنظیم نے مختلف پروگراموں میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے نوجوان ساتھیوں اور بچوں کی حوصلہ افزائی کے لیے ان میں انعامات تقسیم کئے۔

کل پاکستان تربیتی اجتماع برائے ناظمین

حسب سابق اسد فہم بھی یہ سالانہ تربیتی اجتماع (۹ تا ۱۱ اکتوبر ۹۵ء) مسجد توحید (ذریعہ جدید) سرگودھا) میں ہی منعقد ہوا۔ بلکہ آئندہ سال بھی اس کو یہیں رکھنے کا فیصلہ کرایا گیا۔ جس میں موثر کردار یہاں کے میزبان "انتہائی شفیق اور بزرگ ساتھی محترم اللہ یار کلیدار صاحب مرحوم کا تھا، جن کا اصرار تھا کہ اس اجتماع کی جگہ میں تبدیلی کسی اہم ترویجی ضرورت کے علاوہ نہ کی جائے۔ چنانچہ امیر تنظیم نے اس اجتماع کیلئے جگہ کی وسعت اور مناسب سہولت کے ساتھ ساتھ بزرگ اور شفیق میزبان کی محبت اور وسعت قلبی پر مبنی پیش کش کو قبول کرتے ہوئے ان کو تجویز کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ اللہ یار کلیدار صاحب مرحوم کی تنظیم کے ساتھ محکمانہ وابستگی اللہ کے دین کیلئے جذبہ و تہذیب اور مومن ساتھیوں کیلئے محبت ایمان کا معاملہ اپنی مثال آپ تھا۔ اب وہ ہمارے درمیان موجود نہیں (ان کی وفات گزشتہ رمضان کے اوائل میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے!) لیکن ان کی محبت اور شفقت ایک عرصے تک ساتھیوں کو ان کی یاد دلاتی رہے گی۔ اتنے بڑے اجتماع کے انتظامات کے سلسلے میں اخراجات کی فراہمی کے ساتھ ساتھ بھرپور ذوق و دلچسپی اور اس پر مستزاد تنظیم کیلئے اضافی مالی ایثار ان کے انفاق فی سبیل اللہ کی تاباک مثال ہے۔ اس کے علاوہ اللہ کی راہ میں نکلنے کیلئے اللہ کے بندے کے ذوق و شوق کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وفات سے ذرا قبل "باوجود اس کے کہ سماعت و بصارت سے تقریباً "محرور ہو چکے تھے، گجرات شہر میں پنجاب سٹیج پر ہونے والے دعوت الی اللہ کے پروگرام میں شرکت کیلئے سرگودھا سے گجرات کا سفر کیا اور پھر شہر بھر میں دعوت الی اللہ کے پروگرام کے دوران لاٹھی لٹکر ساتھیوں کے ساتھ چلتے رہے۔ اس قدر معذوری اور پھر اندہ مالی کے باوجود اللہ کی راہ میں یہ ذوق و شوق اور جہاں ہمیں آخرت کی تیاری کیلئے فکر مندی کا پتہ دیتی ہے۔ ایسے ہی نیکو اور ثابت قدم جو انہو اس اخروی بشارت کا حصد ان ہیں یا ہاتھ النفس العطفتہ ۷

اور بعض اہل دین کا اضافہ مرفوعہ (۱) فادخل فی عبادی (۲) وادخلی جنتی (۳) (الفتح: ۲۰۲)

اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ عظیم میں شرف قبولیت کے ساتھ بھرپور اجر و ثواب سے نوازا۔ اور مرحوم کی اللہ خدمات اور اپنی راہ میں ایثار و قربانی کو ان کے لئے آخرت کا ثواب بنا دے۔ (آمین)

۱۰ اکبر بعد صلوٰۃ الفجر خطاب کے امیر عظیم محمد رمضان صاحب نے سورۃ الانعام کے آخری رکوع کی آیات قل انما نعبدہ فی حق انی صراط مستقیم۔۔۔۔۔ والذین یطورونہم (۱) پر مشتمل درس قرآن دیا اور اللہ کی کتاب کے مختلف حوالوں سے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو گہری طور واضح کیا۔ اشراق اور ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد اجتماع کا باقاعدہ آغاز محمد اعظم خان کے اختتامی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ التوبہ کی آیت والعمونون والمومنات بعضهم اولیاء بعضی۔۔۔۔۔ ان اللہ عزیز حکیم (۲) کے حوالے سے شرکاء اجتماع کے سامنے اہل ایمان کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں اور اس اشتراک عمل کی وجہ سے ان کے درمیان تعلق کی اہمیت کو واضح کیا۔ اور اس تربیتی اجتماع کے تعلق سے احساس ذمہ داری اور نظم و ضبط کی طرف توجہ دلائی تاکہ وہ اس طرح کے مواقع سے بھرپور استفادہ کر کے اپنی اصلی ذمہ داریوں سے اچھی طرح مددہ برآ ہونے کے قابل ہو سکیں اور اللہ کی راہ میں باہمی تعاون سے یہ اجتماعی کاوش فرود بخا سکے۔

اس کے بعد کراچی کے نوجوان ساتھی خالد عزیز نے خوف گہنی کے فارغ اور ان کی صحیح ادائیگی کے ساتھ تجرید کے بنیادی اصول وضاحت سے بیان کئے اور ساتھیوں کو ان کی روشنی میں قرأت القرآن کی مشق بھی کرائی۔

بعد ازاں قسم القرآن کے سلسلے میں سورۃ الاعراف کی آیت وللہ الاسماء الحسنی للادعوه بہا۔۔۔۔۔ کے حوالے سے ۲۰ منٹ کے دورے کی چھ تقاریر ہوئیں جس میں مختلف علاقوں کے ساتھیوں نے حصہ لیا۔ حج صاحبان کے تیسرے کے مطابق تقاریر کا معیار مجموعی طور پر بہتر تھا۔ ان کے فیصلے کے مطابق زاہد حیات (خوبیگی سرحد) نے پہلی، سلطان عبداللہ (کراچی) نے دوسری اور سعید بن بشر (شکو پور) نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

صلوٰۃ ظہر کے بعد عربی تعلیم کا پروگرام ہوا جس میں سرگودھا کے ناظم مسٹر عبدالعزیز صاحب نے معظم عربی حصہ اول کے اسباق کا اعادہ کرایا۔ صلوٰۃ العصر کے بعد باہمی تعارف کی نشست ہوئی جس میں ملک کے مختلف حصوں سے آنے والے ساتھیوں نے اپنا اپنا تعارف پیش کیا۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد صوبہ سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب نے سورۃ النور کی آیت انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ۔۔۔۔۔ الخ کے حوالے سے سمجھ و طاق کے موضوع پر تقریر کی اور شرکاء اجتماع کے سامنے کتاب و سنت کے حوالوں سے اللہ کے دین کے لئے قائم کی گئی اجتماعیت کے اندر سمجھ و طاعت کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کیا۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد امیر عظیم نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دیئے۔

۱۱ اکبر کو صلوٰۃ الفجر کے بعد مسٹر عبدالعزیز صاحب نے سورۃ الاحزاب کی آیات لقد کان فککم فی رسول اللہ صلوٰۃ حسنہ۔۔۔۔۔ وما یصلوا قبلہ (۱) پر مشتمل درس قرآن دیا اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے تعلق سے بیان کیا کہ جس طرح قرآن کی توح انسان کے لئے ہدایت کی کتاب ہے لیکن اس سے ہدایت صرف متقین ہی حاصل کر سکتے ہیں یعنی وہ لوگ جو اللہ کی نافرمانی سے بچنا چاہتے ہیں جن کے دل میں اللہ کے ہاں پیشی اور اشتباہ کا خوف ہوتا ہے۔ اسی طرح اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونے کیلئے یہ معیار رکھا گیا ہے کہ اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ان لوگوں کیلئے ہے جو اللہ پر یقین رکھتے والے اس کے احکامات پر اس کا ذکر اور شکر کرتے والے اور جن کے دل میں اللہ سے ملاقات یعنی آخرت کے دن کا یقین ہو۔

اشراق و ناشتہ کے وقفے کے بعد عربی تعلیم کا پروگرام ہوا جس میں مسٹر عبدالعزیز صاحب نے معظم عربی حصہ دوم کے اسباق پر مشتمل تعلیم دی۔ اس کے بعد دفعہ دینی و مسئلہ مہر کے عنوانات پر مشتمل تحریری امتحان ہوا جس میں زیادہ تر نوجوان ساتھیوں نے حصہ لیا۔ نتائج کے مطابق منور سلطان (کراچی) اور خالد محمود بھٹاری (لاہور) 68 نمبر لے کر اول، نعیم اختر (جام پور) 66 نمبر لے کر دوم اور سجاد حسین

(سرگودھا) 65 نمبر لکچر سوم رہے۔

تقریری امتحان کے بعد فقہ انکار حدیث کے عنوان پر دو تقاریر ہوئیں۔ پہلے کراچی کے سعید احمد صاحب نے سورۃ آل عمران کی آیات قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔ لا یحب الیکالین کے حوالے سے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور متعدد قرآنی آیات کے حوالے سے اجماع رسول کی حیثیت و اہمیت کو واضح کرتے ہوئے بیان کیا کہ جس چیز کی اہمیت کو قرآن اس شہود کے ساتھ بیان کرتا ہے اس کی اہمیت کو گننا یا اس کا انکار دراصل قرآن کا انکار ہے۔ اس طرح یہ فقہ انکار حدیث نہیں بلکہ فقہ انکار قرآن ہے کیونکہ منکرین حدیث کا موقف قرآنی تعلیمات سے متصادم ہی نہیں ان کے برعکس بھی ہے۔

اس کے بعد کراچی کے یعقوب علی صاحب نے رفع یمینی علیہ السلام کے موضوع پر تقریر کی۔ انہوں نے سورۃ النساء کی آیات و قولہم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم۔۔۔۔۔ و ہوم القبطہ یكون علیہم شہید کے حوالے سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا اور بتایا کہ آج دو گروہ رفع و نزول عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہیں۔ ایک قادریانی جن کے سرپرست غلام احمد قادری کو اس کے ذریعے اپنی جھوٹی نبوت کیلئے راستہ ہموار کرنا تھا۔ اور اسی لیے اس نے مسیح موعود اور مثل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ جبکہ دوسرا گروہ منکرین حدیث کا ہے جس کے سرغنہ غلام احمد پرویز نے اس کو اپنے مقصد یعنی انکار قرآن و حدیث کیلئے استعمال کیا۔ یہ دونوں گروہ مسیح علیہ السلام کی موت کے دعویٰ اور ہیں بالکل اسی طرح ان سے پہلے دو گروہ (سودو نصاریٰ) عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور سولی چڑھانے کے دعویٰ کرتے تھے۔ قرآن مرقن ہے۔ صدیوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے والی کتاب ہے۔ جس طرح اس نے قدیم دعویٰ اروں کے بارے میں فیصلہ دیا کہ قتل و سولی کے دعویٰ اردو قویں جھوٹے ہیں۔ اور بھی نہیں بلکہ ان کے تمام جزائیم کی داستان کھول کر دکھادی۔ اسی طرح کتاب و سنت کی تعلیمات ان کے چالیسوں یعنی جدید دعویٰ اروں کا رد کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے قرآن و حدیث کے متعدد حوالوں سے ان کے کذب و فریب کا پردہ چاک کیا۔

صلوۃ النفر کے وقفے کے بعد پاکستان شوریٰ کی میٹنگ ہوئی اور اسی دوران و موت الی اللہ کی تقاریر کا پروگرام ہوا۔ جس میں پندرہ منٹ دورانیے کی پانچ تقاریر کی گئیں۔ ان تقاریر میں کارکردگی کے اعتبار سے عبد الرؤف بن محمد افسرخان مرحوم (کراچی) اول، اعلیٰ محمد (سرگودھا) دوم اور عبد اللہ عمر (سرحد) سوم رہے۔

صلوۃ العصر کے بعد اصول حدیث کے سلسلے میں علم الحدیث کی اہمیت اور بنیادی اصطلاحات پر مشتمل تقریری پروگرام ہوا جس میں کراچی کے یعقوب علی صاحب نے مدرس کے فرائض انجام دیے۔

صلوۃ العشاء کے بعد خانوالہ کے ناظم ماسٹر سر قراز صاحب نے سورۃ الحجۃ کی آیت لا تعبدوا سواہ ستون باللہ۔۔۔۔۔ ہم المتفلحون کے حوالے سے پنجابی میں تقریر کی۔ اور تفصیل سے بیان کیا کہ اہل ایمان کے ایمان کی کیفیت اور معیار کی پرکھ اور آزمائش اسی بات میں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے مقابلے میں دنیا کے کسی رشتے اور تعلق، محبت و عقیدت، فائدت اور نقصان کی کوئی پروا نہ کریں۔ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مخالفت رکھنے والوں کی ساتھ ان کی دوستی نہ ہو۔ انہوں نے اس سلسلے میں قرآن و حدیث کے متعدد حوالوں سے ایمان کے اس معیار اور اس سلسلے میں کتاب و سنت کے احکامات بیان کئے جن میں اہل ایمان کو اس معیار پر پورا اترنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جس کا یہ سدا رہی پر رب کا نجات کی طرف سے ان کے ایمان کی صداقت دنیا و آخرت کی کامیابی نیت کی لازوال نعمتوں اور ان سے بڑھ کر اس کی رضا و خودی کے حصول کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

11 اکتوبر کو صلوۃ الفجر کے بعد ٹھہری گل صاحب نے سورۃ البقرہ کی آیات ومن الناس من یقول امنا۔۔۔۔۔ بعا کلوا ویکذبون پر مشتمل درس قرآن دیا اور قرآن و حدیث کے متعدد حوالوں سے منافقانہ کردار کی تفصیل سے وضاحت کی۔ اشراق و ناشتے کے وقفے کے بعد راولپنڈی کے غلیل الرحمن صاحب نے شرکاء کو تجوید کے اصول سکھائے اور ان کے مطابق قرات القرآن کی مشق کرائی۔ اس کے بعد صوبائی امراء نے اپنے اپنے علاقوں کے اندر دعوتی سرگرمیوں اور تعمیم و تربیت کے پروگراموں کی تفصیل بیان کی۔ اور اس سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات اور کام کی رفتار کو بہتر بنانے کیلئے تجاویز پیش کیں۔

(باقی صفحہ ۸۵ پر ملاحظہ فرمائیے)

سلسلہ سوال و جواب

ڈاکٹر مسعود الدین رحمہ اللہ علیہ (ترکیب) محمد امجد علی عاصم و سر فرید احمد

سوال نمبر 1 = اگر مرنے والے کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کی جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟

جواب = گویا اس میں کہنا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیر کا کام نہیں کیا جبکہ نبی کی بیوی خدیجہ کی وفات ہوئی ہے "خدیجہ" کے بیٹے فوت ہوئے تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس خیر کے کام سے محروم چلے گئے۔ کتنے ہیں اس میں حرج کیا ہے؟ اچھا کام ہی تو ہے! تو کیا اذان و اچھا کام نہیں؟ اقامت کہنا اچھا کام نہیں؟ عید اور یقیناً عید کی نماز سے پہلے اذان و اقامت کہو! کہیں گے نہیں صاحب یہ تو بدعت ہے! تو آخر بدعت کی تعریف کیا ہے؟ یہی تو ہے کہ جو خیر کا کام اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے تھے اور آپ نے نہیں کیا "اس کا نہ کرنا سنت ہے اور جو کیا ہے اس کا کرنا سنت ہے۔ تو جس طرح سنت اختیار ہے اسی طرح سنت ترک ہے! باقی حدیث کی بات اور ہے "کاروبار اور دھنوں کا معاملہ اور ہے۔ بچے کی ولادت ہو تو خالی مولوی صاحب اس کے کان میں اذان دیں گے "پانچ دن روپیہ اس کو ملنا چاہیے۔ پھر زندگی بھر شادی بیاہ ہے "سبح اسم اللہ ہے کل سہرہ بندھے گا وفات پاگئے اسکا (صدقہ خیرات) ہو رہا ہے۔ چاہے کوئی شخص مطلقاً ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے وارثوں کو محروم کر کے خود مال کھاؤ پھر ملوہ ہے "شوما (سو تم) ہے "پھر ہر نعمت کو چاہیے سواں اور بری ہے پھر اگر یہ مر گیا تو کیا ہوا اس کے بال بچے تو زندہ ہیں "یہ بھی تو مرے گئے۔ ان کی پیدائش سے لے کر موت تک بلکہ جب تک میں زندہ ہوں ان سے کھانا رہوں گا! یہ کاروبار ہے پھتا ہوا کاروبار۔ جس طرح ایک چشمہ رواں ہوتا ہے "یہ ہمیشہ رواں رہتا ہے! یہ ان مولویوں کا کھانا ہے! یہ کھائیں گے "ان کو کوئی روک نہیں سکتا! ان کی بادشاہی ہے۔ باقی ایصالِ ثواب کا عقیدہ قرآن کا خالص کفر ہے۔ ایک دو نہیں۔ سنگڑوں آیات ہیں قرآن میں کہ انسان اپنے ہی کیے کا صلہ پائے گا۔ دوسری بات قرآن پڑھنے (قرآن خوانی) سے یہ مقصد ہو کہ سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے تو یہ ایسا لازم چیز ہے کہ جس کا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست حکم دیا گیا ہے اور یہ سنت نبوی ہے۔ لیکن اگر قرآن خوانی سے یہ مطلب ہو کہ لوگوں کو جمع کر کے انہیں پارے بانٹ دے، جائیں کہ انکا آپ بڑھو گے اور اتنا تم "تو یہ ایک تھکیل اور ڈھونگ بنایا ہے لوگوں نے اپنی غرض کے لیے۔ کبھی انکلیشن کا فائدہ ہوتا ہے تو لوگوں کو جمع کرتے ہیں "کبھی کاروبار کے انتہاج کے موقع پر تو کبھی باپ مرنے کو دکھاتے ہیں کہ ہم بڑے ورثہ وار ہیں "یہ خالص بدعت اور گمراہی ہے۔

سوال نمبر 2 = کیا یہ صحیح ہے کہ قیامت کے دن حافظ قرآن کے والدین کو تاج پہنایا جائے گا؟

جواب = بالکل صحیح ہے اور یہ ان کا ذکر ہے جو پیغمبر مومن ہوں "اپنے بچوں کے خیر خواہ ہوں" اپنے بچوں کو مومن اور حافظ قرآن بنائیں "قرآن کا علم حاصل کرنے والا بنائیں" ان کا بڑا دوسرا اور اجر ہے۔ چاہے حافظ نہ بھی بنائیں "قرآن کا علم سکھائیں" عمل کرنے والا بنائیں "بڑا اجر ہے ان کے لیے۔ اسی لیے مسلم کی حدیث میں آیا کہ تین چیزوں کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے "کوئی علمی کام کیا ہو" اپنی اولاد کو صالح بنایا ہو "کوئی بھلائی کا کام کیا ہو۔ بچے جو عمل بھی کریں گے جتنا ثواب بچوں کو ملتا ہے اتنا ہی والدین کو ملے گا اور یہ بہت بڑی بات ہے کہ اپنے بچوں کو حافظ قرآن بنایا جائے۔ ایسے حافظ پر اللہ کا عذاب ہو گا جو قرآن کو سمجھ کر نہ پڑھے اور اس کے خلاف اس کا عقیدہ و عمل ہو۔

سوال نمبر 3 = ننگے سر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بعض ساتھی اسے صحیح سمجھتے ہیں۔

جواب = میرا یہ چیلنج ہے کہ کوئی مجھے ایک حدیث لا کر دکھادے کہ ننگے سر نماز ادا کی گئی ہو! احرام کی حالت کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا بندھ کرنا لازم قرار دیا۔ لیکن اس کے علاوہ حدیث میں کوئی تقدیر نہیں ہوتی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے اہل علم صحابہ نے ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ یہاں تک کہ بخاری یہ بھی لائے ہیں کہ اگر نماز میں ٹوپی گر جائے تو وہ سر پر رکھتے اور صحیح کر لینے سے بھی نماز خراب نہیں ہوتی۔ اور کہیں یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی بغیر ٹماٹے کے یا قلنسو (لمبی ٹوپی) کے یا کالے کپڑے کی پٹی سے سر کو بند کیے بغیر نماز پڑھی ہو۔ سورۃ الاعراف میں ہے:

خُذُوا زِينَتَكُمْ كُلُّ مَسْجِدٍ مَوْمِنًا بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ فَيُخْرِجَهُمْ مِنْهَا

اور مومن کی قسمت مسکت کے عین مطابق سر بند ہونا چاہیے۔ ٹوپی ہو یا عمامہ ہو، عمامہ زیادہ بہتر ہے، کوئی حدیث موجود نہیں کہ آپ نے اس کے علاوہ نماز پڑھی ہو اور جو لوگ جاہل کی روایت لاتے ہیں کہ انہوں نے بغیر ٹماٹے کے نماز پڑھی یہ زیادتی ہے کیونکہ بخاری روایت لائے ہیں کہ جاہل ٹاٹا تھے وہ نماز پڑھا رہے تھے اور ایک چادر باندھ لی تھی۔ اس کا طریقہ یہ بتاتے ہیں کہ گردن سے لٹکا دی۔ جب ان کے شاگردوں نے شکایت کی کہ استاد آپ کی چادر تنگی ہوئی ہے اور آپ نے دو سری چادر مڑوڑوڑتے ہوئے ایک چادر میں نماز پڑھا لی ہے تو انہوں نے کہا کہ ایسا میں نے جان بوجھ کر کیا ہے تاکہ کوئی سوال کرے اور میں یہ بتا دوں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ دو چادروں کی موجودگی میں آپ نے ایک چادر میں نماز پڑھی ہے۔ جواز کے لیے کہ ایک چادر بھی ہو اسے گردن سے باندھ کر لٹکائے اور اپنا سر بند کر لے تو بھی نماز جائز ہے۔ یہ چادر یا رد کا ذکر ہے لوگ اس پر کہتے ہیں کہ جاہل نے بغیر ٹماٹے کے نماز پڑھا لی۔ حالانکہ سر کے لیے یا تو عمامہ ہوتا ہے یا قلنسو ہوتا ہے۔ رد نہیں ہوتی۔

سوال نمبر 4 = اگر مومن بھائی اپنی کسی تقریب میں یا جلسہ میں بلاتا ہے اور اس میں فتنہ گرانی ہوتی ہے تو کیا ہم اس میں شرکت کر سکتے ہیں؟

جواب = اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعوت ہو رہی جاتی ہے تو جہاں ایک بھائی کے دوسرے بھائی پر بہت سے حقوق ہیں وہاں ایک حق یہ بھی ہے کہ ایک مومن بھائی دعوت دے تو اسے قبول کیا جائے۔ ایک طرف یہ بات ہے دو سری طرف معاملہ یہ ہے کہ مومن آدمی کسی ایسے کام میں شرکت نہیں کر سکتا کہ جس میں اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہو، اور یہ فتنہ گرانی ایسی چیز ہے جسے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت سے ناپسند کیا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو ایمان کے اقرار کی تصویر کشی کی لعنت میں مبتلا ہو جاتے ہیں انہیں شدید عذاب ہوگا۔ ایمان والوں کو اس سے بہت زیادہ بچنا چاہیے، لیکن اگر پھر بھی یہ ہو تو ان سے بچنا چاہیے کہ بھائی! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے دعوت قبول کرنے کا۔ لیکن اگر اس میں یہ باتیں نہ ہوں جو آپ گناہ کی کر رہے ہیں تب تو یہ بڑے ثواب کا کام ہے اور اس میں شرکت ہمارے لیے بھی خوشی کی بات ہوتی۔ لیکن ان باتوں کی وجہ سے ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں۔ ہمارا اور آپ کا ایمانی رشتہ اپنی جگہ پر مگر اللہ کی نافرمانی سے ہم آپ کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اللہ سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہم سے سموت میں کوئی ایسی بات ہو جو ہمارے مالک کو ناراض کر دے۔

سوال نمبر 5 = مونچھیں منڈوانا کیسا ہے؟

جواب = احادیث میں جو چیز آتی ہے وہ بخاری مسلم میں ابو موسیٰ اشعری سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مونچھیں پست کرو اور داڑھی کو بڑھاؤ۔ اب بعض لوگوں نے مونڈنا مراد لیا ہے لیکن امام مالک کی بات فیصلہ کن معلوم ہوتی ہے کہ مونڈنا نہیں چاہیے جیسا کہ تاریخ میں آتا ہے کہ عمر جب تظہر کے عالم میں ہوتے تھے تو اپنی مونچھوں کو داڑھیوں میں دبالیٹے تھے۔ اب اگر مونچھیں مونڈ دی جائیں تو داڑھی کے درمیان دبالیٹے گا کوئی موقع نہیں۔ اس لیے امام مالک کہتے ہیں کہ جو مونچھوں کو مونڈتے ہیں وہ مثلہ کرتے ہیں یعنی اللہ کی وی ہوئی شکل اور حیثیت کو بدلتے ہیں۔ قرآن میں آتا ہے کہ شیطان نے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں کو اس طرح سے راہ دکھاؤں گا کہ وہ سورتوں

کو جو ہمیری تخلیق کی ہوئی چیز ہے بدل دیں گے۔ تو امام مالک کہتے ہیں کہ یہ منکر ہے اور شیطانی عمل ہے اور مسلم کی ایک روایت مضبوط ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کھانے پر مہمان تھے جب وہ پیٹے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ مغیرہ تمہاری موٹھیں لب سے آگے ہیں۔ پھر آپ نے ایک سواک اور چھری منگوائی اور سواک رکھ کر چھری سے جو بال آگے آگئے تھے انہیں نکالت دیا۔ اس زمانے میں یہی انداز ہوتا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موٹھیں سوڑنا صحیح نہیں۔

سوال نمبر 6 = اگر قرآن پاچھ سے مگر جائے تو اس کا کیا کفار وہ ہے؟ قرآن وحدث کے مطابق جواب دیں۔

جواب = قرآن وحدث کے اندر اس قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی اس کا کوئی کفارہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا۔ لیکن یہ جو ہمارا کاروباری ہے اس نے دیکھا کہ آخر کسی سے بھول ہوئی ہے پچھتاوا بھی ہے کہ احتیاط سے اٹھایا ہوتا تو جب اس کی پیدائش سے لے کر موت تک اس کی رگوں سے یہ خون کھینچا ہے تو ہر ہر قطرہ کھینچنے کے لیے اس نے یہ اپنے من گھڑت کفارے رکھے ہیں۔ اس کے کفارے کا فتویٰ کوئی مصلحتی کے ذریعے اور کوئی جیسوں کے ذریعے سے دیتا ہے اور اس کا آخر حصہ فتویٰ دینے والے کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اگر جان بوجھ کر گرایا ہے تو اللہ سے بہت زیادہ استغفار کرنا چاہیے اللہ بخشنے والا ہے اور اگر بلا ارادہ کر گیا ہے تو گناہ نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر دل کی قسلی کے لیے کچھ اللہ کے نام پر دے دو تو اچھا ہے۔ یہ فتوے ہیں ان کے جب کوئی گناہ نہیں تو دل کی قسلی کیسی؟ بالکل بھوٹا فتویٰ ہے کچھ نہیں دیتا ہے سہلوی کہ۔

سوال نمبر 7 = بقرہ حیدر قربانی کرنے کے بجائے اگر کسی غریب کی مدد کر دی جائے تو کیا قربانی کا ثواب مل جائے گا؟

جواب = میرے خیال میں اگر کوئی نماز کے وقت نماز پڑھے، مشینوں پر کام کرتا رہے کہ سامان بن رہا ہے لوگ قاتلہ و اٹھائیں گے انسانیت کی خدمت ہوگی اور نماز کا ثواب بھی اسی انسانیت کی خدمت سے مل جائے گا اور اگر یہ ہے کہ دنیا کے لیے اللہ کے سارے احکام کو ختم کرنا ہے تو بس پھر وقت بچاؤ پیسہ نکالتے رہو عزائے کے سانپ بن جاؤ اور پھر آنکھیں بند ہو تو برف جھمکن بن جائے اور جہنم کی آگ میں اتار جاؤ! آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ قربانی کی ہے، تک دینی، باوجود آن ہی بڑے بڑے مولوی بیان کرتے ہیں اخباروں کے مضامین میں آتا ہے کہ فلاں آدمی رنج پر زمین گیا اور روپیہ کسی قریب کو دے دیا تو اس کا رنج بھی قبول ہو گیا۔ پھر لوگوں نے اسے وہاں جج کرتے ہوئے بھی دیکھا اور یہ اعلان ہو گیا کہ اس کی وجہ سے سب کے رنج قبول ہو گئے۔ خالص جمہوری باتیں ہیں۔

ضروری وضاحت

جیل اللہ کے مجلہ نمبر ۱۴ میں صفحہ ۲۵ پر اعادۂ روح کے نیچے دی گئی عبارت میں تسلسل نہ ہونے کی وجہ سے بعض قارئین کو یہ اشتباہ ہوا ہے کہ دوسرے پیرے کی عبارت صحیح احادیث سے ثابت ہے۔۔۔ مشہور ہے (ڈاکٹر عثمانی مرحوم کی ہے) حالانکہ یہ پورے عبارت عنوان سمیت اللہ بن الحاکم "پہلی قسط صفحہ ۱۲" کی ہے۔ جیسا کہ عبارت کے اختتام پر اس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ (قارئین نوٹ فرمائیں۔ شکریہ!)

اتحادی دین کی ایجاد کے بعد اس کے دباؤ کا یہ حال رہا ہے کہ گذشتہ صدیوں

میں بہت کم ایسے علم والے ملیں گے جو پوری طرح قرآنی توحید کو ترجیح دے کر اپنے ہوں۔ بلکہ بہتر صغیر تو یہاں ایک بھی ایسا عالم نہیں گذرا ہے جو اس اتحادی فلسفہ سے متاثر نہ رہا ہو۔ اس لیے اس ملک میں جو گروہ کم سے کم عقیدہ کے فساد میں مبتلا ہے اس میں بھی اتحادی فلسفہ کی وجہ سے دو صریح خرابیاں موجود ہیں: پہلی یہ کہ اس گروہ نے دوسری ساری شریک ٹھہرائی جانے والی ہستیوں سے تو یہ بچا چھڑا لیا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہی عقیدہ رکھا کہ وہ وفات کے بعد بھی قبر میں زندہ ہیں اور اگر کوئی دہاں پہنچ کر دُور و دُستلام پڑھے تو سنتے ہیں اور اس کے لیے انہوں نے اُس جھوٹی اور موضوع (گھڑی ہوئی) روایت کو دلیل بنایا ہے جس میں محمد بن مروان صغیر صاحب الکلبی موجود ہے اور جس کو سارے محدثین نے کذاب اور ضار کہا ہے۔ اور امام عقیلی نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "لا اصل لہ"۔

اور دوسرا فاسد عقیدہ اس گروہ کا یہ ہے کہ کچھ خاص ملائکہ اس کام کے لیے مقرر ہیں کہ لوگوں کے پڑھے ہوئے دُور و دُستلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک براہ راست پہنچائیں۔ ان کے اس عقیدہ کی دلیل وہ روایت ہے جس کا اصل راوی "زاذان" رافضی ہے اور جس نے اپنے اس فاسد عقیدہ کو کہ رافضی مومنین کے اعمال ان کے بارہ ائمہ معصومین کے حضور پیش کئے جاتے ہیں، اس روایت کے ذریعہ اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح سے دو فاسد عقیدے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی صفات کا حامل قرار دیتے ہیں اس ملک کے سب سے بہتر عقیدہ رکھنے والے گروہ میں بھی موجود ہیں۔ پہلا عقیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو "الحی" قرار دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ آپ کو موت نہیں آئی اور اس طرح قرآن اور حدیث کی ان ساری تفصیلات کی نفی کرتا ہے جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لئے بھی موت ہے اور وفات پا جانے کے بعد کسی کیلئے سُننا ممکن نہیں ہے اور یہ بات کہ وَمِنْ قَوْلِهِمْ يُؤَخِّرُ إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ (اور مرنے والوں اور اس قیامت کے درمیان ایک آنے کی قیامت کے دن تک) (المومن) اور موت آجانے کے بعد قیامت کے دن ہیں پھر زندہ ہو کر اٹھنا۔ قَوْلُهُمْ الْقِيَامَةُ تَبْعُهُمْ (المومن) (یعنی مرنے کے بعد) پھر تم لوگ قیامت میں کے دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے (المومن) دُور و دُستلام میں اعمال دُور و دُستلام کا عقیدہ تو یہ بعض اعمال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذات الہی سے اشتراک اور ذات الہی کی نمودیں عقل کی غمازی کرتے ہوئے لیس کو مشابہ شئی کا انکار ہی ہے۔



مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ
وَأَبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَِا مِنْ سُلْطَانٍ (سجده)

”اِس (اللہ) کو چھوڑ کر جن جن کی تم بت لگی کرتے ہو وہ تو بس چند نام ہیں جو تم نے
اور تمہارے باپ دادا نے رکھے تھے میں اللہ نے انہی کوئی سند نازل نہیں کی۔“

غوث الاعظم

(سب سے بڑا ضریاء رس)

”کون ہے جو بے قرار کی دعا مستجاب ہے جب تک اسے پکارتا ہے
اور (کون) اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور (کون) تم کو زمین پر
(پچھلے لوگوں کا) جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی
اور الہ بھی ہے؟ (ہرگز نہیں)۔“

(الشع - ۶۲)

مُشکل کُشا

(مشکلات ختم کرنے والا)

”اور اگر اللہ تمہیں کسی تکلیف میں مبتلا کر دے تو اُس کے علاوہ
کوئی مشکل دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تمہیں کسی خیر سے نوازا
چاہے تو وہ ہر چیز پر دست در ہے۔“

(الانعام - ۱۷)

گنج بخش

(بخشانے بخشنے والا)

”اور آسمانوں اور زمین کے خزانے
اللہ ہی کے لئے ہیں۔“

(المائدہ - ۶۴)

غریب نواز

(غریبوں کو نوازنے والا)

”اے لوگو! تم سب کے سب اللہ کے در
کے قریب ہو اور اللہ توفیق دے گا۔“

(زمر - ۵۱)

دستگیر

(مصیبت کے وقت تھامنے والا)

”اور (حال یہ ہے کہ) جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹے
بیٹھے اور کھڑے (ہر حالت میں) یہی پکارتا ہے، پھر جب ہم اس کی
تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو اس طرح (بے پرواہ ہو کر) گڑبڑاتا ہے
جیسے اس نے اپنی تکلیف میں کبھی نہیں پکارا ہی نہ تھا۔“

(یونس - ۱۳)

داتا

(دینے والا)

”بے شک اللہ بڑا دینے والا ہے۔ (شورۃ الکہف - ۱۰۲)“

”اللہ) ہے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے، جسے چاہتا
ہے بیٹے دیتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا
فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔ وہ تو جانتے

والا (اور) قدرت والا ہے۔“ (الشوری - ۵۰، ۴۹)

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِبَرِّكَ الْكَرِيمِ ﴿۱﴾ اے انسان! تجھے رب کریم کے معاملے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟